



شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ کے مسلک سے متعلق ضروری وضاحت

اور چند علمی مباحث دلائل اور حضرتؒ کی تحریرات کی روشنی میں

مرتب

محمد زید مظاہری ندوی

استاذ حدیث و فقہ دارالعلوم ندوۃ العلماء

ناشر

تفصیلات

نام کتاب	: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب کے مسلک سے متعلق ضروری وضاحت
مرتب	: محمد زید مظاہری ندوی (استاد حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)
صفحات	:
سن اشاعت	: جمادی الاخریٰ ۱۴۳۹ھ
تعداد	:
قیمت	:
ویب سائٹ	: www.alislahonline.com



ملنے کے پتے

- (۱) ادارہ افادات اشرفیہ، دو بگا، ہر دوئی روڈ، لکھنؤ
- (۲) ندوی بک ڈپو، ندوۃ العلماء، لکھنؤ
- (۳) دیوبند و سہارنپور کے کتب خانے
- (۴) جامعہ قاسمیہ عربیہ کھروڈ، گجرات
- (۵) جامعہ فلاح دارین ترکیسر، گجرات

فہرست مضامین

نمبر	مضامین	صفحہ
۱	عرض مرتب	
۲	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ کے مسلک کی وضاحت کا محرک	
۳	کسی شخصیت کے عقائد اور افکار و نظریات معلوم کرنے کا طریقہ	
۴	سلفیوں کے مسلک کی تائید یا خفی مسلک کی تردید؟	
۵	فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے متعلق حضرت شیخؒ کی تحقیق	
۶	عورتیں نماز میں مردوں کی طرح بیٹھیں یا توڑک کریں؟	
۷	تتعیم اور مسجد عائشہؓ سے عمرہ کا احرام باندھنا مشروع ہے یا بدعت؟	
۸	ایک جانور کی قربانی سارے گھر والوں کی طرف سے کافی ہو سکتی ہے یا نہیں؟	
۹	بھینس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟	
۱۰	مصافحہ ایک ہاتھ سے یا دو ہاتھ سے؟	
۱۱	حضرت شیخؒ کا تصوف سے گہرا ربط	
۱۲	اجتماعی ذکر اور ذکر بارہ تسبیحات بدعت ہے یا نہیں؟	
۱۳	اذکار و اشغال سے متعلق حضرت شیخؒ کا اہم مکتوب	
۱۴	لفظ اللہ اللہ ذکر مفرد کے متعلق حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا ارشاد	
۱۵	بعض کبار صوفیاء پر تنقید کی وجہ	
۱۶	فضائل اعمال کتاب پر احادیث ضعیفہ ہونے کا اعتراض اور اس کا جواب	

۱۶	یوم عاشوراء میں گھر میں کھانے میں فراخی اور وسعت کرنے کی تحقیق
۱۷	پندرہویں شعبان کی فضیلت حدیثوں سے ثابت ہے یا نہیں؟
۱۸	رُقیہ اور تعویذ شرک ہے یا نہیں؟
۱۹	انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام عالم برزخ میں زندہ ہیں یا نہیں؟
۲۰	اور اصحاب قبول و اولیاء سے فیض ہو سکتا ہے یا نہیں؟
۲۱	استواء علی العرش اور نزول باری تعالیٰ سے متعلق علمی تحقیق
۲۲	استواء علی العرش سے متعلق اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک کی تشریح
۲۳	خلف کو تاویل کی ضرورت کیوں پیش آئی؟
۲۴	علماء دیوبند کا مسلک
۲۵	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب کا نقطہ نظر
۲۶	حضرت شیخ کی تقریر کا خلاصہ
۲۷	متاخرین کے مسلک کے مطابق استواء علی العرش کی مناسب تاویل
۲۸	کسی محقق کا تحقیق کی بنا پر بعض مسائل میں اپنے امام یا فقہاء مجتہدین کے خلاف رائے قائم کرنا ان کی تقلید و اتباع کے منافی نہیں
۲۹	مسائل کی تحقیق میں ہمارے اکابر علماء کا تفوق و امتیاز اور عدل و انصاف
۳۰	دوسرے محققین کی چند اور مثالیں
۳۱	حضرت شیخ کے مسلک کا خلاصہ
۳۲	حضرت شیخ کے مسلک کا خلاصہ

۳۳	خروج عن اختلاف العلماء کی کوشش
۳۴	امام کی تقلید میں غلو سے انحراف
۳۵	میں فقہ میں فقہائے متاخرین کا متبع نہیں ہوں
۳۶	ضرورت کے وقت دوسرے ائمہ کی تقلید
۳۷	میں حنفی المسلک ہوں لیکن مقلد جامد نہیں
۳۸	عمدۃ القاری کے مقابلہ فتح الباری کی ترجیح
۳۹	ایک بڑی غلط فہمی کا ازالہ
۴۰	چند ضروری تنبیہات
۴۱	حضرت شیخ کے علمی تبرکات درس بخاری اور علمی مکتوبات و ملفوظات
۴۲	تعلیقات بخاری و مسلم
۴۳	حضرت شیخؒ کا درس بخاری
۴۴	حضرت شیخؒ کے مکاتیب علمیہ
۴۵	حضرتؒ کے جوابات لکھنے کا طریقہ
۴۶	حضرتؒ کی احقر سے ناراضگی اور اس کا ایک سبب
۴۷	حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب کا ایک واقعہ
۴۸	تحدیث نعمت
۴۹	حضرت شیخؒ کے علمی و اصلاحی ملفوظات
۵۰	مولانا صدیق احمد صاحب کے ملفوظات کی اہمیت حضرت شیخ کی نگاہوں میں

۵۱	ختم بخاری شریف کا اہتمام
۵۲	ختم بخاری شریف کا دوسرا مصداق
۵۳	حوادث و مصائب کے وقت ختم بخاری شریف کرنا کیا بدعت ہے؟
۵۴	ختم بخاری شریف اور اس میں دعاء کا اہتمام
۵۵	ختم بخاری شریف کے متعلق حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب کا مکتوب
۵۶	ختم بخاری کے سلسلہ میں حضرت مولانا صدیق احمد باندویؒ کا مکتوب
۵۷	اصحاب دارالعلوم دیوبند و مظاہر علوم سہارنپور کا طرز عمل
۵۸	حضرت شیخ کا ختم بخاری شریف کا درس

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

عرض مرتب

احقر نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونسؒ کے حالات پر مشتمل دو مقالے لکھنے کا ارادہ کیا تھا، ایک حضرت کے علمی کمالات پر مشتمل تھا، اور دوسرے حضرت کے عملی کمالات پر۔

پہلا مقالہ لکھنے کے ضمن میں حضرت شیخ کے مسلک اور تقلید و عدم تقلید کی بحث بھی آگئی کہ آپ کسی مسلک کے مقلد و متبع تھے یا نہیں؟ یا سلفیت اور غیر مقلدیت کی طرف مائل تھے، لوگوں نے اس سلسلے میں مختلف باتیں اپنی اپنی معلومات اور ذوق کے مطابق تحریر فرمائی ہیں، احقر نے اس موضوع کو ضرورۃً قدرے تفصیل سے حضرت شیخؒ کی تحریرات کی روشنی میں تحریر کیا ہے، جس سے بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور ہر شخص باسانی یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ آپ کسی مسلک کے مقلد و متبع تھے یا نہیں؟ تھے تو کس مسلک کے؟

اس سلسلے میں احقر نے اسی نوع کے چند اختلافی مسائل بھی ذکر کیے ہیں، مثلاً: استویٰ علی العرش اور صفات باری تعالیٰ کی بحث، فرض نمازوں کے بعد دعاء کا مسئلہ وغیرہ۔ لک اس غرض سے کہ یہ مقالہ صرف حضرت شیخ کے مسلک کی وضاحت ہی کے لیے نہ ہو، بلکہ اس بہانے ان مختلف فیہا مسائل کی تحقیق بھی دلائل کی روشنی میں ہو جائے، اور جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک کی پوری وضاحت اور صحیح بات بھی

لوگوں تک پہنچ جائے؛ اسی غرض سے احقر نے ان چند مسائل کی تفصیل عرض کی ہے، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے اس کو قبول فرمائے، اور خیر کثیر کا ذریعہ بنائے۔

ہم بہت بہت شکر گزار ہیں جناب مولانا مفتی محمد طاہر صاحب سورتی اور مولانا داؤد صاحب کے جنہوں نے اس مجموعہ کی کمپوزنگ میں بھرپور تعاون فرمایا اور انہیں کی محنت و کوشش کی وجہ سے یہ رسالہ جلد منظرِ عام پر آنے کے قابل ہو سکا۔

اسی طرح ہم بہت شکر گزار ہیں شیخ الحدیث جناب مولانا محمد حنیف صاحب لوہاروی اور مولانا محمد جابر صاحب اور جناب ----- کے جن کی توجہ و تعاون سے اس کی طباعت اور نشر و اشاعت کا انتظام ہو سکا، اللہ تعالیٰ ان سب محسنین کو اپنی شایانِ شان جزائے خیر نصیب فرمائے۔ آمین

محمد زید مظاہری ندوی

استاذِ حدیث و فقہ

دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۱۰ محرم ۱۴۳۹ھ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين
محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين.

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ

کے مسلک کی وضاحت کا محرک

احقر کا احساس یہ ہے کہ کسی شخص یا جماعت کے بارے میں اس بات کو موضوع بحث بنانا کہ اُن کا مسلک کیا تھا، وہ مقلد تھے یا غیر مقلد، حنفی وشافعی تھے یا مالکی وحنبلی؟ اگر اس میں امت کا کوئی علمی یا دینی فائدہ نہ ہو، تو یہ بحث محض لا حاصل ہے؛ بلکہ بسا اوقات مُضر ہو جاتی ہے کہ اُن کے مآثرِ علمیہ سے استفادہ میں رکاوٹ بن سکتی ہے کہ وہ تو ہمارے مسلک اور ہماری جماعت سے خارج تھے، اور اُن کے افکار و خیالات ہمارے اکابر و مشائخ سے علیحدہ تھے، یہ بدگمانی بسا اوقات بدزبانی کا بھی ذریعہ بن جاتی ہے، ورنہ کم از کم استفادہ کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی ہے؛ اس لیے بلا ضرورت اس بحث میں پڑنے کی کوئی خاص منفعت نہیں، البتہ بوقتِ ضرورت، بقدرِ ضرورت اس کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ کے تعلق سے اُن کی حیات میں بھی اور بعد وفات بھی مختلف قسم کی ایسی باتیں لوگوں کی تقریروں و تحریروں میں آئی ہیں، جن سے لوگ حضرت شیخؒ کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہو سکتے ہیں یا غلط فہمی کا شکار ہو سکتے ہیں، جس کا نقصان یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت شیخؒ کے علمی و اصلاحی افادات؛ خواہ وہ کسی

بھی نوعیت کے ہوں، مثلاً: آپ کے مکاتیبِ علمیہ، درسِ بخاری اور کتبِ حدیث اور فرائض حدیث سے متعلق مختلف مباحثِ علمیہ، اور مختلف موضوعات سے متعلق آپ کے لکھے ہوئے اجزاء و رسائل ان سب کو بھی ناواقف حضرات اسی شک کی نگاہ سے دیکھنے لگیں گے۔

حضرت شیخؒ کی وفات کے بعد مختلف مضمون نگار حضرات نے حضرتؒ کے حالات اور آپ کے افکار و نظریات کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے، بعض حضرات نے فرمایا کہ: آپ پکے حنفی اور دیوبندی تھے، اور بعض مسائل میں اپنی تحقیق کی وجہ سے اختلاف کرنے سے حنفیت و دیوبندیت سے خارج نہیں ہو جائیں گے۔

بعض لوگوں نے فرمایا کہ آپ ابتدائی دور میں تو مقلد تھے، اور حنفی تھے؛ لیکن بعد میں سلفیت کی طرف مائل ہو گئے، تقلید کے دائرے سے نکل کر گویا غیر مقلد بن گئے۔ بعض حضرات نے حضرتؒ کا یہ مقولہ تحریر فرمایا کہ: اگر میں کسی امام کا مقلد ہوتا تو امام شافعیؒ کا مقلد ہوتا، بعض حضرات نے تحریر فرمایا کہ: حضرت محدث تھے، اہل حدیث کے مسلک پر تھے، کسی امام کے مقلد نہ تھے۔

بعض مضمون نگار حضرات نے آپؒ کے درسِ بخاری کے چُن چُن کر چند ایسے اقتباسات جمع کر دیئے، جن سے یقینی طور پر یہ تاثر ہوتا اور ذہن بنتا ہے کہ حضرت شیخؒ کسی امام کے مقلد نہیں تھے، سلفی ذہن رکھتے تھے، فروعی مسائل کے علاوہ اصول و عقائد میں بھی سلفیت کی طرف مائل تھے، اور چونکہ حوالوں کے ساتھ یہ بات کہی گئی ہے، اقتباسات بھی نقل کیے ہیں، اس لیے قارئین کا اس سے متاثر ہونا اور شکوک و شبہات میں مبتلا ہونا یقینی ہے، جس کا ضرر خدا نخواستہ ہو سکتا ہے کہ حضرت شیخؒ کی علمی تحقیقات و افادات اور درسِ بخاری وغیرہ اتنی قدر و منزلت اور اتنی عقیدت و محبت سے نہ دیکھی و پڑھی جائیں، جس کی وہ مستحق ہیں۔

اس لیے واقعی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ حضرت شیخؒ کے افکار و خیالات اور ان کے عقیدہ و مسلک کی وضاحت کر دی جائے، تاکہ لوگ غلط فہمی کا شکار نہ ہوں، اور اس سلسلے میں احقر کی کوشش یہی ہوگی کہ جو کچھ عرض کیا جائے حضرتؒ ہی کی تقریر یا تحریر کے حوالے سے عرض کیا جائے۔

الحمد للہ! احقر کا حضرتؒ سے قریبی تعلق رہا ہے، کئی سال حضرت اقدس کی خدمت کرنے اور حضرت کی صحبتِ صالح سے مستفید ہونے کی سعادت حاصل رہی ہے، حدیثِ پاک کی کتابیں: بخاری و مسلم کے علاوہ فقہ و فتویٰ کی مشہور کتابیں: در مختار و رسم المفتی بھی حضرت سے پڑھنے کی سعادت ملی ہے، حضرت کو بہت قریب سے سفر و حضر میں دیکھا اور سمجھا ہے، الحمد للہ! سفرِ حج میں بھی حضرت کی معیت کی توفیق ملی ہے۔

حضرت کی علمی و اصلاحی مجالس میں برابر شرکت رہتی تھی، اور حضرت کی علمی مجالس و ملفوظات کو کئی کاپیوں میں جمع بھی کیا ہے، اور خود حضرتؒ نے اس ناکارہ پر حسنِ ظن اور اعتماد رکھتے ہوئے اپنے تمام مکاتیبِ علمیہ - جو متعدد دفاتر میں محفوظ تھے - احقر کے حوالے کر کے اس کو مرتب کرنے کا حکم دیا، اس لیے احقر جو کچھ بھی عرض کرے گا ان ہی مکاتیبِ علمیہ یعنی حضرتؒ کی تحریرات کی روشنی میں پوری بصیرت اور دیانت کے ساتھ عرض کرے گا۔

حضرت شیخؒ کے مسلک اور ان کی فکر و نظر معلوم کرنے کا سب سے زیادہ اطمینان بخش، قابلِ اعتماد طریقہ یہ ہے کہ مختلف موضوعات، خصوصاً اختلافی مسائل سے متعلق آپ سے کیے گئے سوالات کے جوابات کو بغور دیکھ لیا جائے کہ وہ کس مسلک کے ہیں، ان میں کس مسلک کی نمائندگی و ترجمانی اور حمایت و وکالت کی گئی ہے، سلفی مسلک کی اور ابن

تیمیہ وابن قیم کی فکر و نظر اور غیر مقلدین کے نقطہ نظر کی وکالت کی گئی ہے، یا ائمہ اربعہ میں سے کسی امام مثلاً: امام ابوحنیفہ و امام شافعی وغیرہ کے مسلک کی ترجمانی کی گئی ہے؟

اس حقیقت پر غور کرنے سے ادنیٰ علم و فہم رکھنے والا بھی بہ آسانی فیصلہ کر سکتا ہے کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے اساتذہ و اکابر اور اپنے مشائخ کے مسلک و عقیدہ اور ان کے مشرب پر قائم تھے یا نہیں؟ آئندہ سطور میں ہم اسی غرض سے مختلف موضوعات سے متعلق حضرت شیخؒ کے لکھے ہوئے سوالات کے جوابات بہ طور نمونہ کے عرض کریں گے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے ہم حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحبؒ ہی کی ایک اصولی تحریر عرض کر دے ہیں، جس میں حضرتؒ نے خود ہی تحریر فرمایا ہے کہ کسی شخصیت کے عقیدے و مسلک کو معلوم کرنے کے قابل اعتماد طریقے کیا ہو سکتے ہیں۔

کسی شخصیت کے عقائد اور افکار و نظریات معلوم کرنے کا طریقہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب سے کسی سوال کرنے والے نے یہ سوال کیا کہ حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کو فرقہ ضالہ اور مرجعہ میں شمار کیا ہے، اس کے متعلق کیا تحقیق ہے؟

حضرت اقدس نے اس کا تفصیلی جواب تحریر فرمایا ہے؛ لیکن اصل جواب سے قبل اصولی انداز میں یہ بات تحریر فرمائی ہے کہ:

”کسی شخص کے خیالات جاننے کی صورتیں اور اس کے

عقائد و عقائد معلوم کرنے، معلوم ہونے کے دو ہی ذریعے ہیں:

ایک: اُس کی تصانیف۔ دوسرے: اُس کے اتباع۔

تصانیف تو اس وجہ سے کہ مصنف اُس میں اپنے مافی الضمیر اور عندیات کو ذکر کرتا ہے، خدا نخواستہ اگر مصنف دوسرے کے لیے آلہ گفتار ہو تو بھی وہ اُٹنائے کلام میں اپنے خیالات کا پرچار کرتا رہتا ہے، اور جب کہ مصنف خود مستقل ہو، کسی کا پابند نہ ہو تو پھر تو وہ اُس میں کوئی کسر ہی نہیں اٹھا رکھتا۔

اور متبعین اس وجہ سے کہ وہ اُن ہی اعمال و کردار کو اپنائیں گے جو اُن کا رہبر کرتا رہا، اور اُسی طریقہ پر گامزن ہوں گے جس پر اُن کا رہنما چلا تا رہا۔“ (نوادر الحدیث، مکاتیب علمیہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب، مرتبہ محمد زید ص: ۵۸۵)

حضرت شیخ کے بیان کردہ ضابطے کے مطابق کسی شخص کے عقائد و خیالات کا پہلا اطمینان بخش طریقہ یہ ہے کہ اُس کی تحریرات و تصانیف کو دیکھا جائے، دوسرے اس کے پیروکار و متبعین اور اس کے تلامذہ و مریدین کو دیکھ لیا جائے کہ وہ کس مسلک و منہج پر گامزن ہیں، الحمد للہ! حضرت کے تلامذہ و مریدین مختلف ممالک: افریقہ، برطانیہ قطر وغیرہ میں اور انڈیا کے مختلف صوبوں: گجرات، بہار، یوپی وغیرہ میں ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں، جنہوں نے باقاعدہ طور پر حضرت کی شاگردی اختیار کی، جو اس وقت دین کی بڑی بڑی خدمات انجام دے رہے ہیں، کوئی اپنے وقت کا شیخ الحدیث اور شارح حدیث ہے، کوئی فقیہ وقت اور مفتی اعظم ہے، کوئی مصلح جلیل اور مبلغ کبیر ہے، کوئی تصنیفی و تالیفی اور تحقیقی کام میں لگا ہوا ہے، حضرت کے ملک و بیرون ملک میں پھیلے ہوئے تلامذہ اور مریدین کو دیکھ لیا

جائے کہ یہ سب اپنے اکابر و اسلاف کے نقش قدم اور اُن کے مشرب پر ہیں یا نہیں؟ اور عقیدے و مسلک کے لحاظ سے وہ کیا ہیں؟ سلفی، غیر مقلد، یا کسی امام کے مقلد ہیں؟ حنفی و ماتریدی ہیں یا کچھ اور؟

حضرت شیخؒ کے بیان کردہ ضابطہ کے مطابق حضرتؒ کے تلامذہ کو دیکھ کر بھی حضرت شیخؒ کے عقیدہ و مسلک کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، واللہ اعلم۔

چند مسائل کی تحقیق

ذیل میں ہم چند ایسے مسائل کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جن میں سلفیوں، غیر مقلدوں اور حنفیوں کا اختلاف معروف و مشہور ہے؛ اسی نوع کے متعدد مسائل کے متعلق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ سے بھی مختلف مواقع میں سوالات کیے گئے، جن کے آپ نے تفصیلی جوابات تحریر فرمائے، اُن جوابات سے حضرت شیخؒ کے مسلک و عقیدہ اور آپ کی فکر و نظر کا اچھی طرح اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اور ہر شخص بہ آسانی فیصلہ کر سکتا ہے کہ عقیدہ و مسلک کے اعتبار سے حضرت کیا تھے؟

واضح رہے کہ کسی بھی شخصیت کے تعلق سے کسی بھی مسئلے میں اُن کے فرمائے ہوئے ارشادات و ملفوظات اور تقریروں کی وہ اہمیت نہیں ہوتی، جو خود اُن کے کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریرات و تالیفات کی ہوتی ہے، کیوں کہ ارشادات و ملفوظات اور درسی تقاریر میں تو احتمالات ہوتے ہیں کہ طرزِ تعبیر کے بدلنے سے یا ایجاز و اختصار کی وجہ سے کسی موقع پر مافی الضمیر کی ادائیگی پورے طور پر نہ ہو سکی ہو، سیاق و سباق اور طبعی احوال بھی اس میں مؤثر ہو سکتے ہیں، اور یہ بھی ممکن ہوتا ہے کہ سامعین و مخاطبین اپنے شیخ کی تقریر پورے طور پر اخذ و ضبط نہ کر سکے ہوں، یا سننے اور سمجھنے میں کوتاہی ہو گئی ہو، یا نقل کرنے اور تعبیر میں

پوری بات نہ آسکی ہو، چوں کہ ملفوظات اور درسی تقاریر میں یہ سارے احتمالات ہوتے ہیں، اس لیے علماء محققین کا فیصلہ یہی ہے کہ کسی بھی محقق و مصنف کے ارشادات و تقاریر کا وہ درجہ نہیں ہے جو ان کی تصانیف اور لکھے ہوئے جوابات کا ہوتا ہے، کیوں کہ تصنیفات اور فتویٰ نویسی اور علمی مقالات و مکتوبات میں لکھنے سے پہلے محقق خوب چھان بین کر کے پہلے مواد جمع کرتا ہے، بہت غور و خوض کے ساتھ تنقیح کرتا ہے، اپنے ذہن میں ترتیب دیتا ہے، پھر لکھنا شروع کرتا ہے، لکھنے کے بعد بھی نظرِ اول و ثانی کرتا ہے، کافی غور و خوض کے بعد اس میں حذف و اضافہ بھی کرتا ہے، اس لیے کسی بھی محقق و مصنف کی لکھی ہوئی چیز اس کے افکار و خیالات اور مسلک و عقیدہ کو سمجھنے کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہے، جس کی بنا پر یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ کس مسلک و مشرب سے تعلق رکھتا تھا، اس کے مقابلے میں مجلس میں فرمائی ہوئی باتوں کا یا درسی تقاریر کا بھی اس درجہ اعتبار نہیں کیا جاسکتا، یعنی تقریر کو تحریر کا درجہ ہرگز نہیں دیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخؒ نے خود ہی تحریر فرمایا کہ کسی شخصیت کے عقیدہ و مسلک کو سمجھنے کے لیے اس کی تصانیف و تحریرات پر نظر ڈالو اور اس کے شاگردوں کو دیکھ کر فیصلہ کرو۔

اب اس نوع کے چند اختلافی مسائل عرض کیے جاتے ہیں جن میں سلفیوں، حنفیوں نے باہم اختلاف کیا ہے اور حضرت شیخؒ سے ان کے متعلق سوال کیا گیا تو حضرت نے کیا جواب تحریر فرمایا۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے متعلق

حضرت شیخؒ کی تحقیق

فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے متعلق علماء کا اختلاف معروف

مشہور ہے، سلفی اور حضراتِ غیر مقلدین فرض نمازوں کے بعد دعا نہیں کرتے؛ بلکہ اس کو بدعت کہتے ہیں، علامہ ابن تیمیہ اور ابن قیمؒ نے بھی اس کو بدعت لکھا ہے، جب کہ فقہاء احناف اور علماء دیوبند اس کو مسنون و مندوب کہتے ہیں، اور اس کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔

اس کے متعلق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ سے سوال کیا گیا، حضرت شیخؒ نے اس کا تحقیقی جواب لکھا، علامہ ابن تیمیہ و ابن قیمؒ کی وہ عبارتیں بھی نقل فرمائیں جن میں علامہ نے فرض نمازوں کے بعد دعا کو بدعت لکھا ہے۔

أما دعاء الإمام والمؤمنين جميعاً عقيب الصلاة فهو بدعة، لم يكن في عهد رسول الله ﷺ. (فتاوى ابن تیمیة: ۲۲/۴)

وقال الحافظ ابن القيم تلميذ ابن تیمیة في الهدى (۱/۶۷): أما الدعاء بعد السلام من الصلاة مستقبل القبلة أو المؤمنین؛ فلم يكن ذلك من هديه ﷺ. (مختصراً)

لیکن حضرت شیخؒ نے ان عبارتوں کے نقل کرنے کے بعد متعدد احادیث حافظ ابن حجرؒ کے حوالے سے نقل فرمائی ہیں، جن سے نمازوں کے بعد دعا کا ثبوت ہوتا ہے، اور پھر ابن تیمیہ اور ابن قیمؒ کے کلام پر نقد فرمایا ہے، اخیر میں حضرت شیخؒ تحریر فرماتے ہیں:

”جب یہ ثابت ہو گیا کہ صلواتِ مکتوبہ کے بعد دعا کرنا روایت سے ثابت ہے، اور دعا کا اندازِ مسنون یہ ہے کہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرے، چنانچہ بہت سی روایات میں رفعِ یدین عند الدعاء وارد ہوا ہے، اور بعض روایات میں مسح الوجه بعد الدعاء بھی ابوداؤد وغیرہ میں وارد ہے، ان تینوں کے ملانے سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ نمازوں کے بعد

ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے میں اور ہاتھ پھیرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور

ابن السیّ کی ایک روایت میں تو رفع یدین بعد الصلاۃ وارد ہے۔“

جن لوگوں نے نمازوں کے بعد دعا کرنے کو بدعت کہہ دیا ہے اس کے متعلق

حضرت شیخؒ تحریر فرماتے ہیں:

”اگر کوئی مداومت کو بدعت کہے تو شاید غلط نہ ہوگا، مگر یہ بدعت

بھی اسی قبیل سے ہوگی جیسے کہ تراویح بالجماعۃ یا امام واحد کے

بارے میں حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا تھا: نعمت البدعۃ ہذہ۔

فرق مسئلہ تراویح و مسئلہ دعا میں یہ ہے کہ تراویح اصلاً، حقیقتاً

بھی نماز و جماعت دونوں کے اعتبار سے فعلِ نبی سے ثابت ہے، اور

دعا بہیئت کذاً ایہ استدلالی حیثیت سے ثابت ہے، واللہ اعلم۔

ہمارے اسلاف: قطب الارشاد حضرت گنگوہی و حکیم الامت

حضرت اقدس تھانوی و فخر المحدثین حضرت اقدس سہارنپوری قدس اللہ

اسرارہم نے جو کچھ عمل فرمایا ہے وہ بناءً علی التعامل ہے، اور امت کا

تعامل اسی پر ہے۔ ولا تجتمع أمتی علی الضلالة۔“

(نوادر الفقہ ۷/ ۴۹ تا ۵۰، مختصر)

حضرت شیخؒ کی فکر و نظر اور عقیدہ و مسلک کو سمجھنے کے لیے حضرت اقدسؒ کی مذکورہ

بالاتریر بھی کافی ہو سکتی ہے، جس میں سلفی مسلک اور ابن تیمیہ و ابن قیمؒ کی تردید کرتے

ہوئے دلائل کی روشنی میں حنفی مسلک کی تائید فرمائی ہے۔ نیز حضرت گنگوہی اور حضرت

تھانویؒ کو اپنے اکابر و اسلاف میں شمار کیا ہے۔

(۲) عورتیں نماز میں مردوں کی طرح بیٹھیں یا تو رک کریں؟

یہ مسئلہ بھی بہت معروف و مشہور ہے، اہل حدیث و حضرات غیر مقلدین اس بات پر مُصر ہیں کہ نماز میں قعدے کی حالت میں عورتوں کو مردوں کی طرح بیٹھنا چاہیے۔ احناف عورتوں اور مردوں کے بیٹھنے میں فرق کے قائل ہیں، یعنی عورت کے لیے بجائے افتراش کے تو رک کو افضل کہتے ہیں، لیکن دوسرے حضرات اس پر سخت تنقید اور نکیر کرتے ہیں؛ حضرت شیخؒ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا، آپؒ نے احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں محدثانہ انداز میں اس کا جواب تحریر فرمایا، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

”رہ گیا یہ کہ عورت و مرد میں احناف تفریق کے کیوں قائل ہوئے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عورت، عورۃ ہے؛ لہذا اس کے احوال میں ہر قسم کے تسر کا لحاظ رکھا جائے گا، اور افتراش کے بہ نسبت تو رک اقرب الی الستر ہے، اور یہ قاعدہ کسی حنفی کا خانہ زاد نہیں ہے؛ بلکہ ذاتِ اقدسِ رُوحی فدائہ ﷺ کے ارشادات و فرمودات سے ماخوذ ہے.....“

اس کے بعد حنفی مسلک کی تائید میں حضرت شیخؒ نے مندرجہ ذیل روایتیں ذکر فرمائی ہیں:

(۱) عن علي بن أبي طالبؓ قال: إذا سجدت المرأة فلتحتفز

ولتضم فخذيها. (مصنف ابن أبي شيبة: ۲۷۰/۱)

(۲) عن ابن عباسؓ أنه سئل عن صلاة المرأة،

قال: تجتمع وتحتفز. (مصنف ابن أبي شيبة: ۲۷۰/۱)

(۳) عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أنه سئل: كيف كان النساء يصلين على عهد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم؟ قال: كنّ يتربعن ثم أمرهن أن يحتفزن. أي: تضممن من أعضائهن بأن يتوركن.

(مسند الإمام أبي حنيفة بروايه الحصكفي، السعاية: ۲/۲۳۵)

یہ اجتماع اور فخذین کا ملانا تورک کی صورت میں زیادہ ہوگا، بہ نسبت صورتِ افتراش کے۔

(نوادر الفقه/ ۶۱، ۶۲، فتاویٰ شیخ الحدیث مولانا محمد یونس)

اس پوری تحریر اور زورِ بیان سے اندازہ لگانا چاہیے کہ حضرت شیخؒ نے سلفیوں اور غیر مقلدین کے خلاف حنفی مسلک کی کتنی قوت سے تائید فرمائی ہے۔

(۳) تنعیم اور مسجدِ عائشہؓ سے عمرہ کا احرام باندھنا

مشروع ہے یا بدعت؟

اسی نوع کے معروف مسائل میں سے جن میں سلفی اور غیر مقلدین بہت شور مچاتے اور احناف پر اعتراض کرتے ہیں، ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ حاجی کا حج سے فراغت کے بعد مزید عمرہ کرنے کے لیے تنعیم (مسجدِ عائشہؓ) جا کر عمرہ کا احرام باندھنا جائز ہے یا نہیں؟

حضراتِ احناف اس کو نہ صرف جائز؛ بلکہ افضل اور باعِ اجر و ثواب سمجھتے ہیں اور اس کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

سلفی اور حضراتِ غیر مقلدین اس پر تنقید کرتے اور سخت اعتراض کرتے ہیں،

اور حضرت عائشہؓ کے عمل کو عذر پر محمول کرتے ہیں۔ اسی مسلک کی ترجمانی کرنے والوں میں سے بعض لوگوں کو حد و حرم میں۔ خفی مسلک کے خلاف تقریر کرتے ہوئے اور تمسخر کرتے ہوئے۔ یہاں تک کہتے ہوئے سنا گیا کہ یہ ۲۰ ریال کا عمرہ جائز نہیں کہ مکہ سے مسجد عائشہؓ جا کر عمرہ کا احرام باندھ لیا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا کہ: اہل حدیث تنعیم کے عمرہ کو (یعنی مسجد عائشہؓ سے عمرہ کے احرام باندھنے کو) بدعت کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: حضرت عائشہؓ کا عمرہ تو مجبوری کا تھا؛ ورنہ کسی دوسرے سے مکہ سے تنعیم عمرہ کا احرام باندھنے کے لیے جانا ثابت نہیں۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ نے اس کا جواب تحریر فرمایا:

”حضرات محدثین: امام بخاری و امام ترمذی وغیرہما نے مستقل عمرہ تنعیم کا ترجمہ منعقد فرمایا ہے اور امام دارمیؒ نے (دارمی: ۲۳۷) باب المیقات فی العمرۃ میں حضرت محرش کعبیؓ کی روایت عمرہ جعرانہ والی اور حضرت عائشہؓ کی روایت عمرہ تنعیم والی ذکر فرمائی ہے، یہ سب اس بات کی مؤید ہیں کہ عمرہ تنعیم میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اور یہ خیال کرنا کہ یہ باہر سے آنے والوں کے لیے میقات ہے؛ بے دلیل ہے۔

اگر عمرہ تنعیم بدعت ہوتا تو ائمہ حدیث اس کا باب کیوں منعقد کرتے؟ اور یہ کہنا کہ حضرت عائشہؓ نے عذر کی بنا پر کیا تھا؛ صحیح ہے، لیکن حضرت عائشہؓ تو بعد میں بھی حج کرتی تھیں، تو حج

کے بعد مکہ سے باہر جاتی تھیں، اور احرام باندھ کر آ کر عمرہ کرتی تھیں؛ چنانچہ موطاء میں حضرت عائشہؓ کی باندی مرجانہ سے روایت ہے: كانت عائشة تعتمر بعد الحج من مكة في ذي الحجة، ثم تركت بعد ذلك فكانت تخرج قبل هلال المحرم حتى تأتي الجحفة فتقيم بها حتى ترى الهلال فإذا رأت الهلال أهلت بعمره. (موطاء، أوجز المسالك: ۳/۳۶۳)

حضرت عائشہؓ کو اگر عذر تھا تو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جب حج کیا تھا اُس وقت تھا، ہمیشہ نہیں تھا، بعد میں حضرت عائشہؓ کا مکہ سے نکل کر عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ آ کر عمرہ کرنا جواز کی دلیل ہے۔ وکفی بهم قدوة.

حافظ ابن حجر (فتح الباری میں) فرماتے ہیں: وبعد أن فعلته عائشة بأمره دل على مشروعيته. (فتح الباري: ۳/۳۵۵) (غیر مقلدین کو الزامی جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں) حضرت عائشہؓ نے۔ آپ کے بقول۔ تتعیم سے عمرہ عذر کی وجہ سے کیا تھا گویا بلا عذر جائز نہیں، اس لیے کہ بدعت ہے، تو اگر بدعت ہوتا تو حضرت عائشہؓ بعد میں بلا عذر عمرہ تتعیم کیوں کرتیں؟ (نوادر الفقه/ ۹۸، ۹۹)

حضرت شیخؒ کے اس جواب سے بھی بہ آسانی فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ کیا آپ غیر مقلد تھے اور سلفی ذہن رکھتے تھے؟ یا پورے انشراح کے ساتھ حنفی مسلک کی وکالت اور تائید فرماتے تھے؟

(۴) ایک جانور کی قربانی سارے گھر والوں کی طرف سے

کافی ہو سکتی ہے یا نہیں؟

یہ مسئلہ بھی معروف و مشہور ہے کہ ایک جانور مثلاً: ایک بکری کی قربانی پورے گھر والوں کی طرف سے کافی ہو جائے گی یا نہیں؟

حضرات غیر مقلدین پوری قوت سے اس بات کو کہتے ہیں کہ: گھر میں کتنے ہی افراد صاحبِ نصاب ہوں جن پر قربانی کرنا واجب ہو؛ لیکن ایک بکری کر لینا سب گھر والوں کی طرف سے کافی ہو جائے گا، رسول اللہ ﷺ نے تو ایک جانور میں پوری امت کو شریک فرمایا تھا۔

اس سلسلے میں حضرت شیخؒ سے سوال کیا گیا، اس کے جواب میں جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

”جمہور کے یہاں ایک بکری ایک ہی آدمی کی طرف سے قربانی کی جاسکتی ہے؛ بلکہ بندے کے علم میں کسی کا اختلاف نہیں، ہاں! اہل و بقر (اونٹ اور گائے) میں اختلاف ہے۔ ایک خاص بات قابلِ توجہ یہ ہے کہ اگر ایک جانور مطلقاً سارے اہل بیت کے لیے قربانی کی ادائیگی میں کافی ہوتا تو ”فاشتر کنا فی البعیر سبعة“ وغیرہ صحابہ کا فرمانا بظاہر بے سود ہے، اس لیے کہ پھر تو ایک خاص عدد کی

قید بے کار ہے۔“ (نوادر الفقہ/ ۷۸)

حضرت شیخؒ نے اپنے جواب میں اُن حدیثوں کو بھی نقل فرمایا ہے جس سے لوگوں

کو غلط فہمی اور یہ شبہ ہوگا کہ ایک جانور کی قربانی پورے گھروالوں کی طرف سے کافی ہو سکتی ہے، اُس کے بعد غلط فہمی دور کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ:

”اِس سے مراد تو ثواب میں شرکت ہے، نہ یہ کہ قربانی کا وجوب بھی اس سے ساقط ہو جائے گا۔“

اور اِس سلسلے میں حضرت شیخؒ نے مندرجہ ذیل شرح حدیث کا کلام نقل فرمایا ہے:

”ومحمل الحديث هو التشريك في الثواب،

وهكذا هو محمل الحديث الذي أخرجه مسلم (۲/۱۵۶) عن عائشة رضي الله عنها: ... اللهم تقبل من محمد وآل محمد ومن أمة محمد، ثم ضحى به.

قال الطيبي رحمته الله: المراد المشاركة في الثواب مع الأئمة لأن الغنم الواحد لا يكفي عن اثنين فصاعداً.

قال النووي: حمل جماعة الحديث المذكور على الاشتراك في الثواب.

وقال النووي في شرح المذهب: إن الشاة الواحدة لا تجزي إلا عن واحد، وهذا هو الذي يقوله أصحابنا... وأما نحن فحمل الحديث على التشريك في الثواب، وقد حمّله عليه جماعة من أصحاب الشافعي كالشيخ إبراهيم المروزي وصاحب العدة والعلامة الطيبي وغيرهم، ولا دافع لهذا المعنى.

اس مضمون کی بعض حدیثوں کے متعلق شبہ ہوتا ہے کہ ایک جانور کی قربانی پورے گھر والوں کے لیے کافی ہے، اس کے متعلق حضرت شیخؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

”ان سب سے مراد شریک فی الثواب ہے، اور مقصد یہ ہے کہ اگر ایک آدمی اپنی قربانی کرے اور اپنے اہل و عیال کو شریک کرے تو قربانی تو ایک ہی کی طرف سے ہوگی، البتہ ثواب میں سارے شریک ہو جائیں گے، اس صورت کا احناف بھی انکار نہیں کرتے۔“ (نوادر الفقہ / ۷۷)

حضرتؒ کے اس جواب سے اچھی طرح اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ سلفیت وغیر مقلدیت کی طرف مائل تھے یا پورے انشراح قلبی کے ساتھ حنفیت کے اتباع اور اُسی کی حمایت میں دلائل ذکر فرمائے تھے۔

(۵) بھینس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

اسی نوع کا ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ حضرات غیر مقلدین بھینس کی قربانی کا انکار کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے، لہذا گائے کی قربانی تو جائز ہے؛ لیکن بھینس کی قربانی جائز نہیں۔

جب کہ علماء احناف؛ بلکہ جمہور علماء بھینس کی قربانی کو جائز سمجھتے ہیں، اس مسئلے کے متعلق بھی حضرت شیخؒ نے جمہور علماء اور حنفی مسلک کے مطابق جو کچھ تحریر فرمایا وہ درج ذیل ہے:

”جاموس بقرہی کی ایک نوع ہے، ہندی میں اُسے بھینس کہتے ہیں اور فارسی میں گاؤمیش کہتے ہیں اور عربی میں جاموس، علامہ ابوالولید بن رشد الحفیدؒ بدایۃ المجتہد (۱/۲۵۳) میں لکھتے ہیں: أجمع العلماء علی جواز الضحایا من جمیع بهیمۃ الأنعام؛ اور بھینس کا بہائمِ انعام سے ہونا اظہر من الشمس ہے، تو قربانی گاؤمیش (یعنی بھینس کی قربانی) کے جواز کے قائل صرف حنفیہ ہی نہیں ہیں؛ بلکہ حضراتِ شافعیہ بھی ہیں، بلکہ جمیع ائمہ کا یہی مذہب ہے، کما علم ذلك من کلام ابن رشد، وقال ابن المنذر فیما حکاہ صاحب المغنی (۲/۵۹۴): والجوامیس صنف من البقر بالاجماع. (نوادر الفقہ/ ۷۵)

(۶) مصافحہ ایک ہاتھ سے یا دو ہاتھ سے؟

غیر مقلدین ایک ہاتھ سے مصافحہ پر اصرار کرتے ہیں، ایک صاحب نے حضرت شیخؒ سے سوال کیا کہ ایک اہل حدیث کا دعویٰ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ شریعت کے اندر نہیں ہے، اگر ہے، تو بالکل صاف حدیث پیش کیجیے، جس میں یہ لفظ ہو کہ حضور ﷺ نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا ہے۔

حضرت شیخؒ نے اس کا جواب تحریر فرمایا:

”اہل حدیث حضرات کا یہ کہنا کہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ کا

ثبوت نہیں، یہ غلط ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث بخاری

شریف (ص ۹۲۶) میں: عَلَّمَنِي النَّبِيُّ ﷺ وَكَفَّنِي بَيْنَ كَفْيِهِ

التَّشْهَدَ وَارِد ہے، حضور اقدس ﷺ کی طرف سے دونوں ہاتھ ہیں، تو

ظاہر ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دونوں ہی ہاتھ ہوں گے، مگر اصلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل کو بتلانا ہے، اس لیے ”کَفَّيْ بَيْنَ كَفْيِهِ“ ذکر کیا، اور اگر بالفرض مان لیں تو فعلِ نبی حجۃ الیدین ہے، اور فعلِ ابن مسعود رضی اللہ عنہ حجۃ الید ہے اور جب فعلِ نبی اور فعلِ صحابی میں تعارض ہو تو فعلِ نبی مقدم ہوگا۔“

حضرت امام بخاریؒ نے ”باب الأخذ بالیدین“ کا ترجمہ منعقد فرما کر مصافحہ کا مسنون طریقہ بیان کیا ہے اور آگے لکھا ہے: وصافح حماد بن زید ابن المبارک بیدیه (یعنی حماد بن زید نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا) اور پھر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث بالا موصولاً ذکر فرمائی ہے، معلوم ہوا کہ امام بخاریؒ مصافحہ کا مسنون طریقہ بتلانا چاہتے ہیں، صرف ”اخذ بالید“ کا احتمال ذکر کرنا مقصود نہیں ہے، اور اہل حدیث کا ایک ہاتھ کا دعویٰ بھی تو کسی صریح حدیث سے ثابت ہونے کی ضرورت ہے، اَوَّلًا تَوَأْنُ کے ذمے یہ ضروری ہے کہ ”بِیْدَیْنِ“ (یعنی دونوں ہاتھوں سے مصافحہ) ممنوع ہے ثابت کریں اور بغیر اِن دونوں امروں کے اُن کا یہ مدعا ثابت نہ ہوگا؛ کیوں کہ بحث یہ ہے کہ ”بِیْدِ“ ہے یا ”بِیْدَیْنِ“ (یعنی مصافحہ ایک ہاتھ سے ہے یا دونوں ہاتھ سے) حنفیہ فرماتے ہیں کہ ”بِیْدَیْنِ“ (یعنی دونوں ہاتھوں سے) افضل ہے، اور اہل حدیث کا یہ اصرار ہے کہ ”بِیْدٍ وَاحِدَةٍ“ ہی ہے، اور یہ دونوں امور بالا کے بغیر

کیسے ثابت ہوگا۔ ویسے نفسِ مصافحہ ”بیدِ واحدہ“ اور ”بیدین“

(یعنی ایک ہاتھ سے اور دونوں ہاتھ سے) دونوں طرح مباح

ہے، لاِطلاق الاحادیث، واللہ اعلم۔ (نوادر الفقہ/۱۰۴)

مذکورہ سوال و جواب میں خود ہی غور کر لینا چاہیے کہ حضرت شیخ سلفیوں اور

غیر مقلدوں کی حمایت کر رہے ہیں یا پُر زور انداز میں اُن کی تردید فرما کر احناف کی پوری طرح حمایت فرما رہے ہیں۔

حضرت شیخؒ کے ملفوظات میں ہے:

”فرمایا جب کوئی حنفی آتا ہے تو میں ایک ہاتھ سے مصافحہ کرتا ہوں اور کوئی اہل

حدیث آتا ہے تو دو ہاتھ سے کرتا ہوں، اہل حدیث میں سے ایک شخص آئے، میں نے

اُسے دو ہاتھ سے مصافحہ کیا، انہوں نے ایک ہاتھ سے کیا، فوراً میں نے یہ اثر پڑھا (جو

بخاری شریف میں موجود ہے) ”صافح حماد ابن زید ابن مبارک بکلتی

یدیہ۔“ تو فوراً انہوں نے دوسرا ہاتھ لگایا اور کہا: ہذہ فائدۃ استفادناھا منکم۔“ یہ ہیں عرب

، ان میں صدق بہت ہے، ہندوستان والوں کی طرح نہیں۔“

(ملفوظات حضرت مولانا محمد یونس صاحب، مرتبہ مولانا محمد جابر صاحب پالنپوری، ص ۲۱۸، مطبوعہ گجرات)

حضرت شیخؒ کا تصوف سے گہرا ربط

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب محدث ہونے کے ساتھ صوفی اور شیخ

طریقت بھی تھے، گروہ اولیاء و صوفیاء سے بڑی عقیدت و محبت رکھتے تھے، اور اپنے اکابر و

مشائخ: حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی،

حضرت مولانا غلیل احمد سہارنپوری، حضرت شاہ وصی اللہ، حضرت مولانا اسعد اللہ، شیخ

الحديث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہم اللہ تعالیٰ سے غایت درجہ محبت و عظمت کا تعلق رکھتے اور اُن سے مربوط تھے، اور اُن کو اپنے اسلاف و اکابر میں شمار کرتے تھے، اس کا اندازہ ایک مکتوب کے چند جملوں سے لگائیے، تحریر فرماتے ہیں:

ہمارے اسلاف : قطب الارشاد حضرت گنگوہی و حکیم الامت حضرت اقدس تھانوی و فخر الحدیث حضرت اقدس سہارنپوری قدس اللہ اسرارہم نے جو کچھ عمل فرمایا ہے وہ بناءً علی التعامل ہے، اور امت کا تعامل اسی پر ہے۔ ولا تجتمع أمتی علی الضلالة۔

(نوادر الفقہ / ۷ تا ۴۹، مختصراً)

(۷) اجتماعی ذکر اور ذکر بارہ تسبیحات بدعت ہے یا نہیں؟

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب اپنے اکابر و مشائخ کے تجویز کردہ اذکار و اوراد اور دیگر معمولات کے بھی بڑے پابند تھے، خود بھی ذکرِ جہری ضرب کے ساتھ کرتے تھے، اور آپ کے حجرہ و خانقاہ میں ذکر کی مجلس روزانہ بعد فجر اور رمضان المبارک میں بعد ظہر لگتی تھی، جس میں اجتماعی طور پر ذکرِ جہری اہتمام کے ساتھ ہوتا تھا، آپ اپنے مریدین و متوسلین کو بھی ذکر بارہ تسبیحات کی تلقین فرماتے تھے۔

بعض اصحابِ اہل علم اور آپ کے بعض تلامذہ نے حضرت سے سوال کیا کہ اس نوعیت سے اجتماعی ذکر، نیز اس طرح ذکرِ جہری اور مفرد اسم ذات پاک یعنی ”اللہ، اللہ“ کا ذکر تو حدیثوں سے ثابت نہیں، یہ بارہ تسبیحات کا ذکر کیوں کرایا جاتا ہے؟ بہت سے سلفی اور غیر مقلدین حضرات اس کو ماثور نہ ہونے کی وجہ سے بدعت کہتے ہیں، شیخ الاسلام علامہ

ابن تیمیہؒ نے تفصیلی دلائل کے ساتھ مفرد ذکر کو بدعت لکھا ہے، جیسا کہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے نقل فرمایا ہے: **فإنه (أي العلامة ابن تيمية) قد أطنب إطناباً بليغاً في إبطال مشروعية هذا الذكر.** (فتح الملهم: کتاب الایمان ۲/۱۷۹، باب ۶۷)

اس سلسلے میں احقر راقم الحروف نے بھی حضرت اقدسؒ کی خدمت میں اپنے کچھ شبہات اور سوالات پیش کیے تھے، حضرت والا نے اس کا جو جواب تحریر فرمایا ہے، وہ بڑی حد تک اطمینان بخش ہے، جس سے پوری حقیقت واضح ہو جاتی ہے، اس کے بعد حضرت اقدس حکیم الامت تھانویؒ کے ایک مختصر سے ملفوظ سے سارے ہی اشکالات ختم ہو جاتے ہیں اور پوری تسلی ہو جاتی ہے، حضرت تھانویؒ کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ: اس نوع کے اذکار و اوراد، بارہ تسبیحات وغیرہ وقتی و عارضی بمنزلہ علاج کے ہیں، ایک مدت تک کرنے اور قلب میں یکسوئی کی کیفیت پیدا ہو جانے اور ذکر راسخ ہو جانے کے بعد سب کو ترک کر کے صرف ماثور ذکر: **تہلیل یعنی لا إله إلا الله** پر اکتفاء کی جائے، واللہ اعلم۔

اب آگے حضرت شیخ کا پورا مکتوب ملاحظہ ہو جس سے حضرت کے دینی ذوق اور مسلک و مشرب کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اور اس کا بھی کہ اس طرح کے علوم و معارف میں بھی آپ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ کے نہیں؛ بلکہ اپنے اکابر و مشائخ کے نقش قدم پر تھے، اور اخیر عمر تک، اسی پر قائم رہے۔

اذکار و اشغال کے متعلق حضرت شیخ کا اہم مکتوب:

حضرات صوفیاء کے تجویز کردہ اذکار و اشغال کے بدعت ہونے کا شبہ اور اس کا جواب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”حضراتِ صوفیاء نے ذکر کی جو صورتیں اور تعداد وغیرہ ذکر کی ہیں، یہ امراضِ قلبی کے ازالہ اور تعلق مع اللہ پیدا کرنے کے ذرائع ہیں اور صدیوں کے مجربات ہیں، اگر کسی کو اس کے بغیر کسی اور صورت سے یا محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ حالت حاصل ہو جائے، تو اُسے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے، اصل تو اعمالِ مسنونہ ہیں، جیسے: مریضِ جسمانی کا علاج دواؤں سے کیا جاتا ہے اور مُضَرَّات سے بچایا جاتا ہے، لیکن اصل چیز جس سے بدن کو قوت حاصل ہوگی وہ مقویات اور اَعْذِیہ ہیں، اور حضراتِ صوفیہ نے ذکر کی جو خاص صورتیں تجویز کی ہیں، وہ صرف اللہ تعالیٰ کا دھیانِ دل میں جمانے کے لیے ہے؛ پہلے ”لا اِلهَ اِلاَّ اللہ“ اور پھر ”اِلاَّ اللہ“ اور پھر ”اللہ، اللہ“ کا ذکر کراتے ہیں۔ اول تو مصرّح ہے: اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا اِلهَ اِلاَّ اللہ، اور ثالث بخذف حرف النّدا یا بخذف المبتدأ ہے، اور ثانی صرف ایسے ہے جیسے بچے کو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھاتے ہیں، تو پہلے بے-سین زیر: بِسْمِ، میم-لام زیر: مِل، لام الف زیر: لَا، ہا زیر: ہِ، رٹاتے ہیں، پھر بسم اللہ کہلاتے ہیں۔ اصل میں مرکب میں ذہن پر بوجھ کم پڑتا ہے، اس لیے بسیط سے مرکب کی طرف چلتے ہیں، اور ذکر میں بظاہر مرکب سے بسیط کی طرف چلتے ہیں، پہلے نفی، اثبات کراتے ہیں؛ تاکہ توحید کا مفہوم دل میں اُترے، پھر ہلکا کر کے صرف اثبات کو رکھتے ہیں، اور صرف ”اللہ، اللہ“ کا ذکر بسیط کراتے ہیں کہ ذاتِ حق بسیط ہے، تو مفہوم توحید کے استحضار کے ساتھ۔ جس کی طرف پورے کلمے سے

دل کو متوجہ کیا گیا تھا۔ ذاتِ بسیط کے دھیان کو اسمِ بسیط سے دل میں جماتے ہیں، خدا کرے یہ تمہارے لیے باعثِ سکون ثابت ہو، اس وقت ذہن حاضر نہیں ہے، کیفِ مالتفق جو آگیا لکھ دیا۔

یہ تم نے صحیح لکھا ہے کہ منقول میں جو بات ہے وہ کسی چیز میں نہیں، رسولِ اکرم ﷺ محبوب ہیں، آپ کی ہر چیز محبوب کی ادا ہے، اور اداءِ محبوب؛ محبوب ہوتی ہے، لیکن اس ادا کو پوری طرح ادا کرنے کی ضرورت ہے، اور وہ بغیر تزکیہٴ قلب کے ناممکن ہے، اس لیے اس کا تزکیہ کرنا اور اس کے ذرائع اختیار کرنا بھی ضروری ہوگا، اصل تو اعمالِ مسنونہ کو سمجھو اور کرو بھی، اور انہیں ہی کرنا ہے، لیکن تھوڑی دیر کے لیے بطور علاج کے حضراتِ صوفیہ کا مجرب نسخہ بھی استعمال کرو، تاکہ طاقت کے ساتھ اعمالِ مسنونہ کی ادائیگی ہو۔

اجتماعی ذکر میں صورتِ اجتماعیہ مطلوب نہیں ہے؛ بلکہ اجتماع کی وجہ سے ایک دوسرے کو دیکھ کر رغبت و شوق کا پیدا ہونا مقصود ہے، اور مزید یہ کہ بعض مشائخ ذکر کے وقت قلبِ مرید کی طرف متوجہ ہوتے ہیں؛ تاکہ طبیعت لگ جاوے، اور مرشد کی معیت میں سب کا ایک ساتھ ذکر کرنا مرشد کی توجہ کی تحصیل میں مُعین ہے، جیسے: مکتب کے حافظ سارے بچوں کو ایک ساتھ پڑھاتے ہیں اور سب پر نظر رکھتے ہیں؛ لیکن یہ چیزیں مقصود نہیں ہیں، اسی لیے اجتماع کے فوت ہونے کی صورت میں بھی سائلین تنہائی میں اپنے معمولات پورے کرتے ہیں۔

أخرج ابن ماجه (۲۱) عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنه
 قال: خرج رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذات يومٍ من بعض حجره، فدخل
 المسجد فإذا هو بحلقتين، إحداهما: يقرئون القرآن
 ويدعون، والأخرى يتعلمون ويعلمون، فقال النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:
 كل على خير. وفي إسناده الإفریقی، وهو ضعيف.

وآخرج مسلم وغيره عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال: ما اجتمع قوم في بيتٍ من بيوت الله يتلون كتاب الله
 ويتدارسونه بينهم إلا نزلت عليهم السكينة، وغشيتهم
 الرحمة، وحفّتهم الملائكة، وذكرهم فيمن عنده.

یہ حدیثیں اجتماعی ذکر کی فی الجملہ مؤید ہیں، حضرت ابن
 مسعود رضی اللہ عنہ کی تکبیر، ممکن ہے کسی خاص امر کی بنا پر ہو، مثلاً: وہ لوگ اس کو
 ضروری سمجھتے ہوں، واللہ اعلم۔

حدیث کی کتابوں کا مطالعہ اور عمل کا جذبہ بے حد مبارک
 ہے۔ اَللّٰهُمَّ اَتَانَا مِنْهُ حَظًّا وَافِرًا وَنَصِيبًا تَامًّا.

تمہارے خواب مبارک ہیں، پانی میں تیرنا اور پار ہو جانا
 طالب کی ترقی اور کامیابی پر دلالت کرتا ہے۔ اوپر اُڑنا بھی عروج
 و ترقی ہے۔ عصا سنت ہے، خواب میں لاٹھی ملنا مبارک ہے۔ میکا نیل
 علیہ السلام کی لاٹھی ہونا برکت فی الرزق کی طرف اشارہ ہے۔ چھوٹے
 بچے کا خواب میں ”انی عبد اللہ“ کہنا بھی اچھا ہے، میرا گمان ہے کہ وہ
 تمہارا نفس ہے، مبارک ہو! اُس کا شیخ کی گود میں کھیلنا؛ یہ شیخ کی نگرانی
 و تربیت ہے، مراد تمہارے شیخ حضرت مولانا سید صدیق صاحب

باندوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا کسی کو بوسہ لینا آپ کی رضا و محبت کی علامت ہے۔ (نوادر الفقه: ۱۸۲، ۱۸۳)

لفظ (اللہ اللہ) ذکر مفرد کے متعلق

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا ارشاد

حکیم الامت حضرت تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں:

ابن تیمیہؒ نے اللہ اللہ ذکر کرنے کو بنا بر عدم نقل بدعت کہہ دیا ہے، لیکن میں اگر اس وقت ہوتا یہ وہ اس زمانہ میں ہوتے تو میں ان سے عرض کرتا اور ان شاء اللہ وہ تسلیم کرتے کہ:

”ایک شخص قرآن پاک حفظ کرتا اور ایک ہی لفظ کا بار بار اعادہ کرتا ہے مثلاً: ”إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ“ کو اس طرح یاد کرتا ہے ”إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ“ کو سومرتبہ کہا اور ”فَطَرَتْ فَطَرَتْ“ کو سومرتبہ کہا، اور پھر ملا کر کہا تو میں ابن تیمیہؒ سے پوچھتا کہ یہ جائز ہے یا محض اس لئے کہ منقول نہیں، ناجائز ہے؟ ابن تیمیہؒ کے پاس سوائے تسلیم جواز کے کوئی جواب نہیں ہوتا، کیونکہ حقیقت اس کی صرف یہ ہے کہ مذکور کو حافظہ میں راسخ کرتا ہے، اب جس ہیئت سے ہو اور اگر وہ ہیئت منقول بھی نہ ہو، پس اسی طرح ذکر کا مقصود قلب میں توجہ الی اللہ کو راسخ کرنا ہے، پس مقصود کو قلب میں راسخ کرنے کو کون منع کر سکتا ہے۔

(الاضافات الیومیہ ص ۱۳ ج ۲)

شارح مسلم علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم شرح مسلم میں حدیث:

”لَا تَقُومُ السَّاعَةُ عَلَى أَحَدٍ يَقُولُ اللَّهُ اللَّهُ.“

(مسلم شریف عن أنس، حدیث: ۴۷۳، باب ذهاب الإیمان آخر الزمان)

کے تحت مفرد لفظ ”اللہ اللہ“ کے ذکر کو ثابت فرمایا ہے، اور علامہ ابن تیمیہ کے نقطہ نظر کی اسی حدیث پاک سے تردید فرمائی ہے، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

قلت: وفي تكرير الاسم إشارة إلى مشروعية ذكر الله عز وجل باسمه المفرد، والرد على من زعم نفى كونه مشروعا ومحمودا، كالحافظ ابن تيمية في فتاواه فإنه قد أطنب إطنابا بليغا في إبطال مشروعية هذا الذكر، وكأنه رحمه الله تعالى قد ذهل عن حديث الباب، فسبحان من لا ينام ولا ينسى.

(فتح الملهم كتاب الإيمان ص: ۱۷۹، ج: ۲)

بعض کبار صوفیاء پر تنقید کی وجہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب گروہ اولیاء و صوفیاء سے محبت و عظمت کا تعلق ضرور رکھتے تھے اور خود بھی اس گروہ میں شامل تھے؛ لیکن اس طبقے کی بھی اگر خلاف شرع اور خلاف حدیث کوئی بات آپ تک پہنچتی، آپ اس کو ہرگز تسلیم نہ کرتے، بلکہ اُس پر سخت نکیر فرماتے تھے، چنانچہ ابن عربی، مولانا رومی وغیرہ کی بعض باتیں جو آپ تک پہنچیں اور آپ کی تحقیق کے مطابق وہ غلط تھیں، اُن پر سخت سے سخت تنقید فرمایا کرتے تھے، البتہ اس سلسلے میں احقر کو حضرت کی کوئی تحریر نہیں ملی جس کو پیش کیا جاسکے۔

بعض کبار صوفیاء مثلاً: پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی، حضرت اقدس اُن کے بہت معتقد تھے، انہوں نے اپنی کتاب ”غنیۃ الطالبین“ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ پر سخت نقد کیا، اور اُن کو فرقہ ضالہ مُرجہ تک میں شمار کیا، لیکن حضرت شیخؒ نے اس کو قبول نہیں کیا، اور اپنے ایک تفصیلی جواب میں اس پر سخت نقد کیا، حضرت شیخؒ تحریر فرماتے ہیں:

”امام صاحب کے اتباع اور اُن کے پیروکاروں کو دیکھ لیجیے، تو وہ بھی اہل السنۃ والجماعۃ ہیں، چنانچہ ساری دنیا کے احناف بھی اہل السنۃ والجماعۃ ہیں، اور اُن کی تالیفات میں بھی یہی ہے، اور ظاہر ہے کہ اِن موجودہ لوگوں نے اپنے اِن عقائد و خیالات کو اپنے اکابر و مقتدایان سے ہی لیا ہوگا، ثم و ثم؛ تا آں کہ امام صاحب سے سلسلہ جاملے، اور تو اتر طبقہ سے امام اعظم (ابو حنیفہؒ) کا فرقہ اہل السنۃ والجماعۃ سے ہونا واضح ہو جاتا ہے، کسی شخص کا امام صاحب یا اُن کے اتباع کو فرقہ ضالہ میں لکھ دینا خود ایک دعوائے بے بنیاد اور بے حقیقت کلام بن جاتا ہے، خواہ کوئی بھی ہو، اس لیے کہ غلطی سے تو حضراتِ انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم کے علاوہ اور کوئی بھی معصوم نہیں ہے، لہذا غلطی کا امکان باقی ہے؛ بلکہ غلطیاں واقع ہوئی ہیں اور بڑوں بڑوں سے بھی۔

اس کے بعد سمجھیے کہ ہم نے پیرانِ پیر کو بزرگ اور شیخ جانا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ اُن سے غلطی نہیں ہو سکتی، لہذا اس امر میں ہم اُن کے متبع نہیں ہیں، لیکن اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ پیرانِ پیر کا دامن ہی ہاتھ سے چھوٹ جائے، ایک آدھ بات میں اختلاف نہ اعتقاد ہی میں مغل ہے اور نہ ہی اتباع میں، یہ تو صرف انبیاء کی شان ہے کہ اُن کی ہر بات میں اطاعت کی جائے اور ہر امر پر اعتقاد کیا جائے۔“ (نوادر الحدیث: ۵۸۵ و ۵۸۹)

حضرت کے افاداتِ درسِ بخاری میں ہے:

”غنیۃ الطالبین“ شیخ عبدالقادر جیلانی کی تالیف ہے، بعض

متاخرین نے اُن کی تالیف ہونے کا انکار فرمایا ہے؛ لیکن یہ انکار بے حقیقت اور غلط ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شیخ الاسلام ابن قیم، حافظ ابن کثیر، حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر رحمہم اللہ نے ”غنیۃ الطالبین“ کو شیخ موصوف کی تالیف میں شمار فرمایا ہے۔ ہاں! اس میں بعض جگہ احناف پر رد بھی موجود ہے؛ لیکن اس سے مراد احناف کا مخصوص طبقہ ہے، سارے احناف مراد نہیں، اور بالفرض! سارے ہی احناف مراد ہوں، تو ہم شیخ موصوف کو ولیٰ کامل اور قطبِ عالم مانتے ہیں، لیکن معصوم نہیں مانتے عصمت تو خصیصہ انبیاء علیہم السلام ہے۔“

(کتاب التوحید: افادات درس بخاری/ ۵۵)

حضرت اقدسؒ کے مندرجہ بالا مکتوب وارشاد سے چند باتیں کھل کر سامنے آ جاتی ہیں، وہ یہ کہ آپ:

- (۱) احناف اور اُن کے مقلدین و تبعین کو اہل السنۃ والجماعۃ میں شمار فرماتے تھے۔
- (۲) اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کو تو اتر طبقہ کے ذریعہ حق پر ہونا اور اہل السنۃ والجماعۃ میں ہونا سمجھتے تھے۔

(۳) اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کی شان میں گمراہی کی نسبت کو آپ درست نہیں سمجھتے تھے۔ اور اس سلسلے میں سید الطائفہ سیدنا عبدالقادر جیلانی نے بھی اگر امام صاحب کی شان میں نامناسب بات لکھ دی، تو آپ نے اس کو قبول نہیں فرمایا، بلکہ اُس کی تردید اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کی تائید فرمائی۔

(۴) حضرت کے اس مکتوب سے صوفیاء و مشائخ کی اتباع کے حدود و قیود بھی

معلوم ہو گئے کہ: رسول پاک ﷺ کی ذاتِ اقدس کے سوا تمام بزرگوں سے بھی غلطیاں ہو سکتی ہیں، اس لیے آنکھیں بند کر کے ہر ایک کا اتباع نہیں کیا جاسکتا؛ اصل چیز کتاب و سنت و شریعت ہے، اور یہی معیارِ اتباع ہے۔

(۸) ”فضائلِ اعمال“ کتاب پر احادیثِ ضعیفہ ہونے کا اعتراض

اور اس کا جواب

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی کتاب ”فضائلِ اعمال“ معروف و مشہور ہے، بہت سے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ اس کتاب میں ذکر کردہ حدیثیں ضعیف ہیں متعدد حلقوں کی طرف سے، خصوصاً سلفیوں اور غیر مقلدین کی طرف سے یہ آوازدشت کے ساتھ اٹھائی جاتی ہے اور یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ کتاب تو احادیثِ ضعیفہ کا مجموعہ ہے، اس لیے ناقابلِ اعتبار ہے، چنانچہ ”فضائلِ اعمال“ نامی کتاب کے خلاف سلفیوں کی طرف سے بعض مقالات اور کتابیں بھی لکھی گئیں، لوگوں کے اس پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر بہت سے اپنے لوگ بھی شکوک و شبہات میں مبتلا ہو گئے، حالاں کہ واقعہ ایسا نہیں ہے، فضائلِ اعمال کی اکثر حدیثیں وہ ہیں جو صحاحِ ستہ، الترغیب والترہیب، بیہقی اور مشکوٰۃ المصابیح سے ماخوذ ہیں، ہر جگہ حدیث کے ساتھ کتاب کا حوالہ بھی درج ہے، خوبی کی بات یہ ہے کہ ان احادیث کی تشریح اور ان سے متعلقہ جو فوائد بیان کیے گئے ہیں، وہ بھی اکثر احادیث کے حوالے سے اور احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں ہیں۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ اپنے وقت کے بڑے درجے کے محدث تھے، انہوں نے جو کچھ لکھا احادیثِ مبارکہ کے حوالے سے پوری تحقیق کے بعد لکھا ہے، ایسا بہت ممکن ہے

کہ ایک حدیث پاک ایک محدث کی نگاہ میں ضعیف اور ناقابل اعتبار ہو، اور دوسرے محدث و محقق کی تحقیق کے مطابق صحیح اور قابل اعتبار ہو، اس میں اشکال کی کون سی بات ہے؟ پھر چند احادیث کی بنا پر یا کتاب میں مندرج بعض مضامین کی وجہ سے پوری کتاب کو تو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب کے نزدیک اس کتاب کی بڑی اہمیت تھی، آپ کی مجلس میں اس کی تعلیم ہوتی تھی، رمضان المبارک میں تو بعد عصر خاص طور پر اسی کتاب کے پڑھے جانے کا معمول تھا، بعض اہل علم کی طرف سے آپ کے سامنے بھی یہ سوال پیش کیا گیا کہ اس کتاب کی بعض حدیثیں ضعیف ہیں، فضائل ذکر کی بعض حدیثوں سے متعلق خاص طور پر یہ سوال کیا گیا، آپ نے اس کا تحقیقی جواب لکھا، اور اصولی طور پر آپ نے یہ بات تحریر فرمائی جس کا حاصل یہ ہے کہ:

یہ کتاب اور اس میں مندرجہ حدیثیں فضائل اعمال سے تعلق رکھتی ہیں، اور فضائل اعمال میں احادیث ضعیفہ بھی معتبر ہوتی ہیں، فضائل اعمال میں احادیث ضعیفہ کے معتبر ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے، حضرت امام نوویؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے، بلکہ احکام میں بھی احادیث ضعیفہ کا اعتبار کیا جاتا ہے جب کہ شدید الضعف نہ ہوں، البتہ موضوع احادیث کا کہیں بھی اعتبار نہیں کیا جاتا، یہ بات آپ نے مختلف موقعوں میں تحریر فرمائی ہے۔

اس سلسلے میں حضرت شیخؒ نے محدثین کی جو عبارتیں اور اپنا فیصلہ تحریر فرمایا ہے وہ درج ذیل ہے، تحریر فرماتے ہیں:

”حدیث ضعیف فضائل اعمال میں قابل عمل ہے، جیسا کہ

محدثین: عبدالرحمن بن مہدی، احمد بن حنبل، ابن معین، ابن مبارک، سفیان ثوری رحمہم اللہ نے تصریح فرمائی ہے کہ حدیث ضعیف فضائل اعمال میں قابل عمل ہے؛ بلکہ امام نوویؒ نے شرح المہذب (۱۲۲/۳) وغیرہ اپنی تصانیف میں فضائل میں حدیث ضعیف کے مقبول ہونے پر اجماع نقل فرمایا ہے۔

(۱) لكن الضعيف يعمل في فضائل الأعمال باتفاق العلماء. (شرح المہذب: ۱۲۲/۳)

(۲) امام نوویؒ اپنی کتاب ”التبيان في آداب حملة القرآن“ میں ص/۸ پر فرماتے ہیں:

إعلم أن العلماء من أهل الحديث وغيرهم جوزوا العمل بالضعيف في فضائل الأعمال. (التبيان/۸)

(۳) وقال النووي في الأذكار (ص: ۵): قال العلماء من المحدثين والفقهاء وغيرهم: يجوز ويستحب العمل في الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف ما لم يكن موضوعاً. (الأذكار للنووي: ۵)

(۴) وقال السيوطي في ”طلوع الشریا“ (۲/ ۱۹۱): الحديث الضعيف يتسامح به في فضائل الأعمال.

(۵) وقال في الدرج المنيفة (ص: ۱۰): الحديث الضعيف يعمل به في الفضائل والمناقب.

(۶) وقال علي القاري في المرقاة (۲/ ۲۶):

الحديث الضعيف يُعمل به في فضائل الأعمال.

(۷) وقال في موضع (۲ / ۱۱۴): أجمعوا على

جواز العمل بالحديث الضعيف في فضائل الأعمال.

(۸) وقال في موضع آخر (۲ / ۱۷۲): يُعمل

بالحديث الضعيف في فضائل الأعمال باتفاق العلماء.

(۹) وقال السيوطي في تحذير الخواص

(ص: ۷۴): قد أطبق علماء الحديث فجزموا بأنه لا تحل

رواية الموضوع في أي معنى إلا مقرونا ببيان وضعه، بخلاف

الضعيف، فإنه تجوز روايته في غير العقائد والأحكام.

(۱۰) وحكى السخاوي في شرح الألفية

(ص: ۱۲۰) نحو ذلك عن عبد الرحمن بن مهدي وأحمد

بن حنبل وابن معين وابن المبارك.

(نوادرا الحديث: ۱۶۴، نوادر الفقه: ۱۶۲)

محقق ابن الهمام نے فتح القدیر (۲۴۶/۱) میں یہی لکھا ہے۔

فقہاء و محدثین کی مذکورہ بالا تصریحات کی روشنی میں حضرت شیخؒ کا فیصلہ یہی تھا جو

اوپر مذکور ہوا کہ فضائل میں احادیث ضعیفہ کا بھی اعتبار کیا جاتا ہے، اس لیے کسی کی تحقیق

کے مطابق ”فضائل اعمال“ نامی کتاب میں بعض مقامات پر احادیث ضعیفہ بھی درج ہو گئی

ہوں (گو دوسرے محققین کے نزدیک وہ بھی صحیح یا حسن ہوں) تب بھی کوئی اشکال کی

بات نہیں؛ کیوں کہ فضائل میں احادیث ضعیفہ بھی معتبر ہوتی ہیں۔ یہ حضرت شیخؒ کی تحقیق

(۹) یومِ عاشوراء میں گھر میں کھانے میں فراخی اور وسعت کرنا

یومِ عاشوراء یعنی دسویں محرم کو روزہ رکھنا تو مسنون عمل ہے، کیوں کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، لیکن اُس دن گھروں میں اچھا کھانا پکانے کا تذکرہ بعض ضعیف روایتوں میں آیا ہے، حضرات غیر مقلدین اور سلفی حضرات اس کا انکار کرتے ہیں اور ایسا کرنے والوں پر سخت نکیر کرتے، اور اس عمل کو بدعت کہتے ہیں، جب کہ علماء احناف اور اکابر دیوبند اس کے قائل ہیں، اس کے متعلق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب سے سوال کیا گیا، تو آپ نے اس کا بہت تحقیقی اور تفصیلی جواب تحریر فرمایا۔

حضرت شیخؒ نے اس سلسلے میں علامہ ابن تیمیہ اور ابن جوزیؒ کا کلام بھی نقل فرمایا ہے، جس میں علامہ ابن تیمیہؒ نے اس حدیث کو بالکل موضوع قرار دیا ہے، لیکن حضرت شیخؒ نے محدثانہ کلام کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ: یہ حدیث پانچ صحابہؓ سے متعدد طرق سے مروی ہے، یہ حدیث موضوع نہیں؛ بلکہ ضعیف ہے، اور تعدد طرق کی بنا پر اس کا ضعف بھی ختم ہو جاتا ہے، اس سلسلے میں حضرت شیخؒ نے امام بیہقی، علامہ سخاوی، علامہ سیوطی، علامہ مناوی، قسطلانی وغیرہم رحمہم اللہ کی عبارتیں ذکر فرمائی ہیں، اور اخیر میں تحریر فرمایا ہے:

”جب اساطین امت اس کو موضوع نہیں قرار دیتے ہیں، تو

پھر وضع کا حکم مشکل ہے، اور ابن تیمیہؒ کا یہ دعویٰ کہ: ”متعصبین حسین

کی من گھڑت ہے“؛ بے بنیاد ہے، بلا دلیل معتبر نہیں، جب کہ حدیث

طرق متعددہ سے مروی ہے، پھر ان کا دعویٰ کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے؟

(۱۰) پندرہویں شعبان یعنی شبِ براءت کی فضیلت حدیثوں

سے ثابت ہے یا نہیں؟

بہت سے سلفی اور غیر مقلدین ناواقفیت کی بنا پر شبِ براءت کی فضیلت ہی کا انکار کرتے ہیں، جبکہ حضراتِ فقہاء و محدثین اور علماء احناف و اکابر علماء دیوبند اس کی فضیلت و اہمیت کے قائل ہیں، اس سلسلے میں حضرت اقدسؒ سے سوال کیا گیا تھا، حضرتؒ نے بہت تفصیلی جواب تحریر فرمایا، اور شبِ براءت کے فضائل سے متعلق بیس احادیث نقل فرمائی ہیں، اور علامہ مُناوی اور شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ کا یہ کلام نقل فرمایا ہے:

قال ابن تیمیة: ليلة نصف شعبان روي في فضلها من الأخبار ما يقتضي أنها مفضلة ومن السلف من خصها بالصلاة فيها. (فيض القدير: ۳۲/۲)

اخیر میں حضرت شیخؒ تحریر فرماتے ہیں:

حقیقت یہ ہے کہ ان احادیث کو اگر الگ الگ دیکھا جائے تو کلام کرنا ٹھیک ہے؛ لیکن ان میں بہت سی روایات ایسی ہیں، جو شدید الضعف نہیں ہیں، اگر ان کو ملایا جائے، تو قوت پیدا ہو جاتی ہے۔

(نوادر الحدیث/ ۲۴۱ تا ۲۵۱)

(۱۱) رُقیہ اور تعویذ شرک ہے یا نہیں؟

غیر مقلدین اور سلفی حضرات کا نقطہ نظر یہ ہے کہ رُقیہ اور تعویذ شرک ہے، بلکہ بعض لوگ تعویذ لکھنے والے امام کے پیچھے نماز پڑھنے کو بھی جائز نہیں سمجھتے، اور بلادِ عرب میں سلفی ذہن رکھنے والے اگر کسی ہندی، پاکستانی شخص کو تعویذ باندھے دیکھ لیتے ہیں، تو فوراً

اس کو توڑ کر پھینک دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ: شرک شرک؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے تعلیق تمام کو شرک قرار دیا ہے۔

جب کہ حضراتِ صوفیاء و مشائخ اور علماء احناف رُقیہ اور تعویذ کو جائز قرار دیتے ہیں، جب کہ اُس تعویذ میں کوئی غلط الفاظ اور غلط معنی نہ لکھے ہوں، یعنی ایسا تعویذ جو آیات قرآنیہ، اسماء الہیہ یا ادعیہ پر مشتمل ہو، ایسے تعویذ کو جائز قرار دیتے ہیں۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں، اور علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد اور الطب النبوی میں، اور علامہ سیوطیؒ نے مجربات سیوطی میں، امام غزالیؒ نے خواص قرآنی اور کتاب الاوافق میں بہت سے مجرب عملیات، رُقیہ اور تعویذات لکھے ہیں اور اُن کو جائز قرار دیا ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ کا عمل بھی اسی کے مطابق تھا۔ ایک مرتبہ حضرت شیخؒ بہت سخت بیمار ہو گئے اور عرصے تک بیمار رہے، احقر اُس وقت زیرِ تعلیم اور حضرت کی خدمت میں تھا، حضرتؒ نے احقر کو صحت کے لیے آیاتِ شفاء۔ جس کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ محدث دہلویؒ نے ”القول الجلیل“ میں، اور حضرت تھانویؒ نے ”بہشتی زیور“ میں لکھا ہے۔ چینی کی پلیٹ میں زعفران سے لکھنے کا حکم دیا؛ چنانچہ احقر روزانہ بعد فجر لکھ کر حضرت کو پلایا کرتا تھا، الحمد للہ! حضرت کو شفاء ہوئی۔ حضرت پر سخت قسم کا سحر بھی تھا، بعض موقعوں پر تھوڑی مدت تک کے لیے احقر نے حضرت کو تعویذ پہنے ہوئے بھی دیکھا۔

اس سلسلے میں بعض سلفی ذہن رکھنے والوں نے حضرت سے سوال کیا کہ ابو داؤد کی روایت میں ہے: مَنْ عَلَّقَ تَمِيمَةَ فَقَدْ أَشْرَكَ؛ پھر تعویذ، گنڈے کے دلائل کیا ہیں، حضور اکرم ﷺ یا صحابہؓ کے عمل سے اس کا ثبوت ہو تو بتلائیے، عقلی اور تاویلی جواب سے احتراز

کیجیے۔ چنانچہ حضرت اقدسؒ نے اس کا جواب تحریر فرمایا، جواب کا خلاصہ درج ذیل ہے:

عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن رسول الله ﷺ قال: إذا فرغ أحدكم في النوم فليقل أعود بكلمات الله التامات الخ... كان عبد الله بن عمرو رضي الله عنهما من بلغ من ولده، ومن لم يبلغ منهم كتبها في صك، ثم علقها في عنقه. (رواه أبو داود والترمذي، كذا في المشكاة: ۲۱۷، وكذا رواه البخاري في خلق أفعال العباد ص/ ۸۸)

وأخرج الطحاوي (۳۲۳/۲) عن عائشة رضي الله عنها قالت: ليست بتميمة ما علق بعد أن يقع البلاء.

وأخرج أبو نعيم في أخبار أصبهان (ص: ۱۰۲) عن عائشة قالت: إنما التمام ما علق قبل البلاء، فأما ما علق بعد البلاء فليس من التمام. وكذا أخرجه الحاكم.

وفي طبقات الحنابلة لابن رجب (۵۷/۴) في ترجمة أبي عمرو بن قدامة: قال الموفق: كان مجاب الدعوة، وما كتب لأحد ورقةً للحمى إلا شفاه الله تعالى.

اس سے بھی یہ ظاہر تعویذ مراد ہے اور سلف کا عمل ہے۔ (نوادر الحدیث/ ۵۰۵)

(۱۲) انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام عالم برزخ میں زندہ ہیں یا نہیں؟

اور اصحاب قبور و اولیاء سے فیض ہو سکتا ہے یا نہیں؟

یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ اور معرکہ الآراء مسائل میں سمجھا جاتا ہے کہ عالم برزخ میں

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام زندہ ہیں یا نہیں، نیز عالم برزخ میں اولیاء کرام سے یعنی ان کے مرنے کے بعد بھی ان سے اور اصحابِ قبور سے فیض ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں علماء دیوبند و سہارنپور کا جو مسلک ہے بالکل واضح ہے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب بھی اسی مسلک و مشرب کے قائل تھے۔ البتہ سلفی اور غیر مقلدین حضرات اس کا انکار کرتے ہیں۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب شارح ابوداؤد اس مسئلہ سے متعلق مسلک دیوبند کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

عندنا وعند مشايخنا حضرة الرسالة ﷺ حي في قبره الشريف وحيوته ﷺ دنيوية من غير تكليف وهي مختصة به ﷺ وجميع الانبياء صلوات الله عليهم والشهداء لا برزخية كما هي حاصلة لسائر المؤمنين بل لجميع الناس كما نص عليه العلامة السيوطي ﷺ في رسالته ”إنباء الأذكىاء لحياة الأنبياء“ فثبت بهذا أن حيوته دنيوية برزخية لكونها في عالم البرزخ.

(ترجمہ) ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں، اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے بغیر مکلف ہونے کے۔ اور حیات مخصوص ہے آں حضرت ﷺ اور تمام انبیاء اور شہداء کے ساتھ (وہ اس درجہ کی) برزخی نہیں ہے جو تمام مسلمانوں کو بلکہ سب آدمیوں کو حاصل ہے، چنانچہ علامہ سیوطی نے اپنے رسالہ ”إنباء الأذكىاء بحياة الانبياء“ میں تصریح لکھا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ﷺ کی حیات دنیوی ہے، اور اس معنی کر برزخی بھی ہے کہ عالم برزخ میں حاصل ہے۔

(رسالہ المہتد علی المفید / ۳۴، سوال ۵ کا جواب)

اور برزخی زندگی میں اولیاء و مشائخ اور اصحابِ قبور سے فیض ہو سکتا ہے یا نہیں؟

اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

وأما الاستفادة من روحانية المشايخ الأجلة و وصول الفيوض الباطنية من صدورهم أو قبورهم فيصح على الطريقة المعروفة في أهلها و خواصها لا بما هو شائع في العوام.

(ترجمہ) اب رہا مشائخ کی روحانیت سے استفادہ اور ان کے سینوں اور قبروں سے باطنی فیوض پہنچنا، سو بیشک صحیح ہے۔ مگر اس طریقہ سے جو اس کے اہل اور خواص کو معلوم ہے، نہ اس طرز سے جو عوام میں رائج ہے۔ (رسالہ المہند علی المفند سوال-۱۱ کا جواب/۴۱)

حیاتِ انبیاء و شہداء کے متعلق حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا کلام نہایت جامع ہے۔ جو اہل دیوبند کا مسلک ہے وہ یہ ہے۔ حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

”مرنے کے بعد برزخی حیات ہر شخص کی روح کو حاصل ہے اور اسی سے جزاء و سزا کا ادراک ہوتا ہے، لیکن شہید کو اس حیات میں اور مردوں سے ایک گونہ امتیاز ہے، اور وہ امتیاز یہ ہے کہ اس کی یہ حیات آثار میں اوروں سے قوی ہے۔ پس اس امتیاز کی وجہ سے شہداء کو اُحیاء کہا گیا۔ اور ان کو دوسرے اموات کے برابر کہنے کی ممانعت کی گئی۔ اور یہی حیات ہے، جس میں حضراتِ انبیاء علیہم السلام شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں، حتیٰ کہ بعد موت ظاہری کے سلامت جسد کے ساتھ ایک اثر اس حیات کا اس عالم کے احکام میں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مثل ازواجِ اُحیاء کے ان کی ازواج سے کسی کو نکاح جائز نہیں ہوتا، اور ان کا مال میراث میں تقسیم نہیں ہوتا، پس اس حیات میں سب سے قوی تر انبیاء علیہم السلام ہیں، پھر شہداء پھر اور معمولی مُردے۔ (بیان القرآن سورہ بقرہ ج ۱/۸۸)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ بھی مسلکِ علماء دیوبند کے مطابق

حیاتِ انبیاء کے قائل تھے، نیز برزخی زندگی میں اولیاء کرام و اصحابِ قبور سے فیض پہنچنے کے بھی قائل تھے۔ اگرچہ سلفی حضرات اس کے منکر ہیں، حضرت شیخ نے حیاتِ انبیاء سے متعلق اپنے ایک مقالہ میں دس حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، جن سے حیاتِ انبیاء کا ثبوت ہوتا ہے، اس کے بعد حیاتِ شہداء اور انبیاء کا فرق اور اس پر ہونے والے شبہات کے جوابات بھی تحریر فرمائے ہیں۔ حیاتِ انبیاء سے متعلق دس حدیثوں کے ذکر کرنے کے بعد حضرت شیخ رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

”یہ دس حدیثیں ہم نے بطور نمونہ کے ذکر کی ہیں، ان سے صاف اور واضح طور سے حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اپنی قبورِ مطہرہ کے اندر باحیات ہونا ثابت ہوتا ہے۔ لہذا وہ ساری روایات اس باب میں مؤید ہیں جن میں حضور اکرم ﷺ پر عرض اعمال کا ذکر ہے یا حضور اقدس ﷺ پر درود و شریف کے پیش ہونے کا ذکر ہے، اسی طرح قبر میں نماز پڑھنا اور لیلۃ الاسراء میں حضراتِ انبیاء کا ایک دوسرے سے ملاقات کرنا، یہ سب خواصِ حیات میں سے ہے، نیز آیت قرآنیہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبور میں زندہ ہیں:

”وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ“

(ترجمہ) ان لوگوں کے بارے میں جو اللہ کے راستہ میں شہید ہو گئے، یہ مت کہو کہ وہ مردہ ہیں، بلکہ وہ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں) اب جب کہ نص قرآنی سے حیاتِ شہداء ثابت ہوتی ہے، اور حضراتِ انبیاء شہداء سے بدرجہا افضل ہیں، لہذا ان کو بدرجہ اولیٰ حیات حاصل ہوگی۔ حیاتِ شہداء اکمل و اعلیٰ ہے، اور حیاتِ انبیاء ان سے اکمل و اعلیٰ ہے، نیز حیاتِ انبیاء حیاتِ غضری ہے، اور حیاتِ عامہ مؤمنین وغیرہ برزخی ہے۔

(نوادر الفقہ باب ۶- کتاب الانبیاء/ ۲۲۶، ۲۲۷ مطبوعہ لکھنؤ)

یہ تو حضرت کی تحریر اور مقالہ کا اقتباس تھا، حضرت کی تقریر میں اس کی مزید وضاحت ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ حیاتِ انبیاء کے قائل ہونے کے ساتھ کبارِ اولیاء سے فیض پہنچنے کے بھی قائل تھے چنانچہ درس بخاری میں ارشاد فرماتے ہیں۔

”میں ایک ضمنی بات کرتا ہوں، اگرچہ یہ میری حیثیت نہیں ہے، کہ حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی حیات عجیب و غریب حیات ہے اس کا اندازہ ہم جیسوں کو نہیں ہو سکتا ہے، لیکن وہ اولیاء کبار جن کی روحانیت میں اللہ تعالیٰ تصرف کی قوت ڈال دیتے ہیں ان کو اندازہ ہوتا ہے۔ جن لوگوں کو اولیاء کرام کی روحانیت اور ان کے قوت تصرف و فیض کا احساس ہوا ہے۔

بعض اولیاء اللہ ایسے ہیں کہ دنیا میں اور اس عالم کون میں ہوتے ہوئے اگر وہ یوں نظر ڈالتے ہیں، تو ان کی نگاہ کا فیض ایک دو سو میل نہیں، ایک دو ہزار میل نہیں، ہزاروں میل دور چلا جاتا ہے۔ اور ایسے اولیاء اللہ اب بھی موجود ہیں، جن کے فیوض قلبیہ ہزاروں میل پہنچ جاتے ہیں، مرنے کے بعد بھی ان اولیاء کے فیوض کا انتقال ہوتا ہے کہ ان اولیاء سے کسی کو نسی یا روحانی تعلق ہوتا ہے اور واقعۃً ان اولیاء کی روح ان سے راضی ہوتی ہے تو ان کے فیوض ان تک پہنچتے رہتے ہیں چاہے وہ ہندوستان چھوڑ کر مکہ چلے جائیں یا مدینہ یا کہیں اور چلے جائیں، تو جب ان اولیاء امت کے اندر اتنی طاقت ہے اور مرنے کے بعد ان کی حیات میں اتنا زور ہے تو جو صاحب امت ﷺ ہیں اور سید الانبیاء ہیں ان کی روحانیت کتنی فیض اور طاقت والی ہوگی۔

ایک بات کہنے کی نہیں لیکن کہتا ہوں کہ میں اپنی چار پائی پر بیٹھا تسبیح پڑھ رہا تھا،

نیچے ایک صوفی بیٹھے ہوئے تھے، جو زیادہ پڑھے لکھے نہیں، لیکن ان کے دل کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں، ان سے میری دوستی ہے، میں ذکر کرتے کرتے باتیں بھی کر رہا تھا، میں نے ان سے یہ کہا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی بعثت اس عالم میں شرک و کفر کی بیخ کنی کے لیے ہوئی تھی، آپ توحید خالص کی اشاعت کے لیے تشریف لائے تھے، تو انہوں نے ایک دم اسی وقت کہا: ابھی میں نے دیکھا کہ روضہ اطہر سے ایک نور آیا اور تمہاری طرف گیا، مجھے تو کچھ پتہ نہیں چلا، اندھے آدمی کو کیا پتہ چلے، لیکن جس شخص کے سامنے یہ بات ہوئی تھی اس نے ایک دم یہ بات کہی۔

ایک دفعہ ایک طالب علم نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ رسول اکرم ﷺ جیسا پیدا کرنے پر قادر ہیں؟ تو میں نے کہا کہ دو باتیں ہیں: ایک ہے عالم امکان اور دوسرا عالم وقوع، عالم امکان میں اللہ تعالیٰ حضور اکرم ﷺ جیسا تو کیا حضرت محمد ﷺ سے کروڑوں اور اربوں درجہ رسول پیدا کرنے پر قادر ہیں، لیکن عالم وقوع میں یہ ہوگا نہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے آپ کو خاتم الانبیاء سید المرسلین بنا دیا ہے، اور قیامت کے دن آدم اور تمام اولادِ آدم حضرت نبی اکرم ﷺ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، وہ طالب علم صاحب کشف تھے، اور عجیب و غریب ان کے کشوف تھے، وہ کبھی کبھی میرے پاس آکر ادھر ادھر کی باتیں سنایا کرتے تھے، تو انہوں نے ایک دم رونا شروع کیا، اور بہت دیر تک روتے رہے میں تو خاموش ہو گیا، جب رونا ختم ہو گیا تو میں نے پوچھا کہ تو کیوں رورہا تھا؟ اس نے کہا کہ جس وقت آپ یہ تقریر کر رہے تھے، تو میں نے دیکھا کہ روضہ اطہر سے حضور اکرم ﷺ نے اپنا چہرہ نور نکالا اور تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں، اب مجھے ڈر سا معلوم ہوا میں وہی آدمی ہوں کہ حضور نے تائیداً دیکھا یا تردیداً؟ کیا ہوا ہوگا، خیر دس سال کے بعد

تیسرے سال میں نے حضرت شیخ (مولانا محمد زکریا صاحبؒ) کو خط لکھا، اور خط میں یہ واقعہ لکھ دیا، اور لکھنے کا منشا یہ بات تھی کہ میں نے خواب میں اس طرح دیکھا کہ مجھ سے کوئی پوچھتا ہے کہ کیا محمد ﷺ جیسا اللہ پیدا کر سکتے ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ اللہ محمد ﷺ کو کیا ان جیسے لاکھوں بلکہ اربوں درجہ افضل پیدا کرنے پر قادر ہیں، پھر مجھے اس بچہ کا قصہ یاد آگیا، تو میں نے یہ سب لکھ کر مدینہ منورہ بھیج دیا، شیخ کا وہاں سے جواب آیا کہ حضور ﷺ کا دیکھنا تردید نہیں تھی بلکہ تائید تھی۔

(کتاب التوحید/ ۱۶۱، ۱۶۲)

اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ اولیاء کے متصرف ہونے کے قائل تھے، دوسرے موقع پر آپ نے اس کی پوری وضاحت فرمادی کہ اللہ کی اجازت اور اس کی مرضی و مشیت کے بغیر سارے اولیاء اور سارا عالم مل کر بھی کچھ نہیں کر سکتے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

”حضرت مولانا صدیق احمد باندویؒ سے ایک بدعتی نے سوال کیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کے چاہنے سے کچھ ہو سکتا ہے؟ مولانا نے جواب دیا: بہت کچھ ہو سکتا ہے، اگر اللہ چاہیں، مطلب یہ کہ اللہ ہی کے چاہنے سے ہو سکتا ہے، اللہ کے چاہے بغیر اگر ساری مخلوق چاہنے لگے تو کچھ نہیں ہوگا۔ آیا ہمارے رسول پاک ﷺ نے ابوطالب کی ہدایت کو نہیں چاہا ہے؟ لیکن کیا ہوا؟ وہ ہوا جو اللہ نے چاہا۔ کیا حضور قوم کی ہدایت نہیں چاہتے تھے؟ کیا آپ سارے عالم کی ہدایت کو نہیں چاہتے تھے؟ لیکن اللہ نے فرمادیا ”اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ“ اللہ جس کو چاہیں ہدایت دیں، جس کو چاہیں ہدایت نہ دیں، حالاں کہ حضور ﷺ دوست و دشمن سب کی ہدایت چاہتے تھے۔

(کتاب التوحید/ ۱۱۹، بخاری شریف/ ۱۱۲ باب فی المشیۃ والارادة)

مذکورہ بالا ارشاد میں حضرت والا نے واضح فرمادیا کہ عالم دنیا یا عالم برزخ سارے عالم میں اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کی مشیت کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا، سارے اولیاء و انبیاء بھی اس کی مرضی اور ارادے کے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ فَعَالٌ لِّمَآثِرِ يُدْصِرُ اسی کی شان ہے۔

(۱۳) استواء علی العرش اور نزولِ باری تعالیٰ سے متعلق

علمی تحقیق

قرآن پاک کی بعض آیتوں اور احادیثِ نبویہ میں بعض موقعوں پر حق تعالیٰ کے لئے ایسے الفاظ و کلمات ارشاد ہوئے ہیں اور حق تعالیٰ کے لیے کچھ ایسی صفات بیان کی گئی ہیں جو بظاہر حوادث اور مخلوق کی صفت ہیں، ان صفات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے میں اس کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ لازم آتی ہے، اس لئے اس کی حقیقت کو سمجھنے میں لوگوں کی مختلف رائیں ہو گئیں۔ مثلاً: قرآن پاک میں حق تعالیٰ کے ید، وجہ، ساق، یمین، استواء علی العرش اور حدیثوں میں حق تعالیٰ کے لئے اصبع، رجل اور نزولِ رب تعالیٰ کا تذکرہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے ہاتھ، چہرہ، پنڈلی، انگلی، پیر، عرش اور کرسی پر بیٹھنے، آسمان سے نیچے اترنے کا ذکر ہے۔ ظاہر بات ہے کہ یہ صفات اور اجسام تو حوادث اور مخلوق کے ساتھ ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی شان جو اُس نے خود بیان کی ہے یہ ہے لَیْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (اُس جیسی کوئی چیز نہیں) یعنی اُس کے مثل کوئی نہیں ہو سکتا، لہذا یہ تو یقینی بات ہے کہ مخلوق کی طرح تو حق تعالیٰ کے لئے صفات و اجسام ہرگز نہیں ہو سکتے، پھر اس کا کیا مطلب ہے، اس کی حقیقت سمجھنے میں لوگوں کے مختلف نظریات ہیں۔ جو درج ذیل ہیں:

(۱) ایک طبقے نے ان صفات کو بالکل ظاہر پر محمول کرتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ جس طرح ہمارے ہاتھ، پیر، چہرہ، انگلیاں ہیں اور جس طرح ہم کرسی پر، عرش پر بیٹھتے اور اترتے ہیں نعوذ باللہ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے بھی ہاتھ، پیر اور انگلیاں وغیرہ ہیں۔ اور حق تعالیٰ بھی نعوذ باللہ اسی طرح چڑھتا اترتا ہے، اس فرقے نے حق تعالیٰ کو اس کی مخلوق سے تشبیہ دی اور حق تعالیٰ کے لئے جسم کا قائل ہو گیا اس لئے اس فرقے کا نام فرقہ مشبہ اور مجسمہ ہے، جو حق تعالیٰ کے لئے تجسیم و تشبیہ کا قائل ہو گیا، یہ نقطہ نظر بالکل غلط اور بالکل باطل ہے۔ قرآن پاک کی اس آیت لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ کے بھی خلاف ہے، اس لئے یہ فرقہ اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج اور گمراہ ہے۔

(۲) ایک طبقہ بالکل اس کے برعکس ہے کہ حق تعالیٰ کے لئے تجسیم و تشبیہ کی خرابی سے بچنے کے لئے حق تعالیٰ کے لئے سرے سے ان صفات ہی کا انکار کر دیا، یعنی حق تعالیٰ کے لئے جو صفات قرآن و حدیث میں اس نوع کی بیان کی گئی ہیں، ان صفات کو تسلیم کرنے ہی سے انکار کر دیا، یہ نقطہ نظر بھی غلط ہے۔ کیوں کہ اس سے تو قرآن پاک اور احادیث صحیحہ کی تردید و تکذیب اور ان کا انکار لازم آتا ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے لئے بیان فرمایا ہے، اس نقطہ نظر کے حاملین خوارج و معتزلہ ہیں، یہ بھی مسلک اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج ہیں اور ان کا یہ مسلک بالکل غلط اور باطل ہے۔

(۳) تیسرا مسلک حضرات سلف اور محدثین کا ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث میں حق تعالیٰ کے لئے جتنی صفات بیان کی گئیں ہیں، وہ بالکل برحق ہیں، ان پر ایمان لانا اور ان کو تسلیم کرنا ضروری ہے، رہی بات یہ کہ اس کے معنی و مطلب کیا ہیں؟ اس کے متعلق وہ یہ فرماتے ہیں کہ اس کے حقیقی معنی ہی مراد ہیں یعنی حق تعالیٰ کے لئے جو

صفات و اجسام بیان کیے گئے ہیں مثلاً: ہاتھ، پنڈلی وغیرہ۔ اسی طرح اُس کا عرش پر بیٹھنا اور بلند آسمان سے آسمانِ دنیا کی طرف اترنا، یہ حقیقی معنی کے اعتبار سے ہے، لیکن اس کو مخلوق کی طرح سمجھنا اور مخلوق سے تشبیہ دینا اور اس پر قیاس کرنا قطعاً غلط ہے، کیوں کہ خود حق تعالیٰ کا فرمان ہے لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ، اس لئے حق تعالیٰ کے لئے ان صفات کو تو تسلیم کیا جائے گا، لیکن اس کی حقیقت پر نہ غور کیا جائے گا، نہ کوئی فیصلہ کیا جائے گا، بلکہ اس کو اللہ کے حوالے کیا جائے گا، اسی حقیقت کو تسلیم و تفویض کہتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضراتِ سلف اور محدثین کا مسلک اس سلسلے میں تسلیم و تفویض ہے یعنی ان صفات کو تسلیم کر کے حقیقی معنی مراد لیتے ہوئے اس کی حقیقت کو اللہ کے حوالے کر دینا، جتنا قرآن و حدیث میں آیا اس پر ایمان لانا، اس کو تسلیم کرنا اور اپنی طرف سے کوئی بات نہ کہنا، بلکہ زبان کو روک لینا یہ حضراتِ سلف کا مسلک ہے۔

(۴) اس سلسلے میں چوتھا مسلک حضراتِ خَلْف اور متکلمین کا ہے کہ وہ بھی حق تعالیٰ کے لئے اس نوع کے جملہ صفات کو جو قرآن و حدیث میں آئے ہیں، قبول کرتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں، لیکن اس کے حقیقی معنی مراد نہ لے کر توجیہ و تاویل کے ساتھ مجازی معنی مراد لیتے ہیں، جو حضراتِ سلف اور صحابہ نے مراد نہیں لئے، مثلاً ید (ہاتھ) کے مجازی معنی قدرت کے لئے وغیرہ ذلک۔ اور ایسا انہوں نے کسی مصلحت اور مجبوری کی وجہ سے کیا، خود اپنے لئے تو انہوں نے اسلاف اور محدثین کے مسلک کو پسند کیا، لیکن کم فہم و کم علم اور کم درجہ کے لوگوں کے لئے انہوں نے یہ خطرہ محسوس کیا کہ باطل فرقہ والے یعنی فرقہ مجسمہ و مشبہ والے ان کو بہکانہ سکیں۔ اُن کے باطل نظریئے اور گمراہی سے بچانے کے لئے انہوں نے مصلحت و ضرورت دلائل شرعیہ میں گنجائش سمجھ کر توجیہ و تاویل کر کے مجازی معنی مراد لئے۔

یہ دونوں نقطہ نظر اور یہ دونوں طبقے یعنی اسلاف محدثین اور اخلاف متکلمین اہل السنۃ والجماعۃ میں شامل ہیں، اور دونوں حق پر ہیں۔ ہمارے اکابر علماء دیوبند نے اصلاً تو اسلاف محدثین کے مسلک کو ترجیح دی اور اسی کو اختیار فرمایا ہے، لیکن امت کی دینی ضرورت کے پیش نظر مصلحتاً خلف اور متکلمین کے مسلک کو ذکر فرمایا ہے، اب علماء دیوبند کے مسلک کو ملاحظہ فرمائیے۔

استواء علی العرش کے متعلق اہل السنۃ والجماعۃ کی تشریح

خلف کو تاویل کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اس بحث سے متعلق اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

اہل حق کے اس میں دو طریق ہیں، ایک طریقہ سلف کا ہے کہ اس کو حقیقی معنی پر محمول فرماتے ہیں، اور حقیقی معنی کی کنہ مفوض للعلم الالہی (یعنی اس کی حقیقت کو حق تعالیٰ کے حوالے) کرتے ہیں، اور اس کی کوئی کیفیت متعین نہیں کرتے۔

اور دوسرا طریقہ خلف کا ہے کہ اس میں مناسب تاویل کر لیتے ہیں تاکہ گمراہ فرقے مشبہ و مجسمہ ان کو غلطی میں واقع نہ کر سکیں، اس طرح سے کہ دیکھو اللہ تعالیٰ عرش پر مستقر ہیں اور استقرار کے معنی ظاہر میں جمنے اور بیٹھنے کے ہیں، تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہے، جیسے ہم تخت پر بیٹھتے ہیں تو وہ بھی (یعنی اللہ تعالیٰ) ہماری طرح جسمانی چیز ہے نعوذ باللہ۔

اسی طرح وہ یہ شبہ ڈال سکتے ہیں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ یعنی ہاتھ اور

حدیث میں وضع قدم یعنی پاؤں رکھنا وارد ہے، اور ظاہر ہے کہ ہاتھ اور پاؤں اعضاء جسمانیہ ہیں، تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اعضائے جسمانیہ ہیں۔

اس کا جواب سلف کے طریقے پر یہ ہے کہ (حق تعالیٰ کے) ید اور قدم تو ہیں، مگر ہماری طرح کے نہیں، مگر اس کو سمجھنا بھی عوام کو مشکل ہے، اُن کا ذہن تو ان مفہومات سے تجسم اور تشبیہ ہی کی طرف جاتا ہے (کہ ہماری طرح حق تعالیٰ کے بھی نعوذ باللہ ہاتھ پیر ہیں) اور اس عقیدے سے بچنا واجب تھا، اس لئے علماء خلف نے اس کی یہ تدبیر کی کہ ایسے حقائق کی ایسے طریقے سے تاویل کر دی کہ نہ قرآن و حدیث متروک ہو، اور نہ عقیدہ تجسیم و تشبیہ (یعنی باطل عقیدہ) میں مبتلا ہوں، مثلاً: استواء علی العرش کو تنفیذ احکام سے کنایہ کہہ دیا، اور ید کے معنی قدرت کے کہہ دئے، وضع قدم کے معنی مقہور کر دینے کے کہہ دئے۔

اور یہ ضرورت حضرات سلف کو اس لئے پیش نہیں آئی کہ (اُن کے عہد میں ان خطرات سے) عوام اس لئے محفوظ تھے کہ اُس زمانہ میں یہ مبتدعین (یعنی فرقہ مجسمہ و مشتبہ اہل باطل) کے مضامین نہ تھے، اس لئے ایسے شبہات اُن کے کانوں میں نہ پڑتے تھے، اُن کا ذہن خالی رہتا تھا اور ایسے مفہومات (یعنی قرآن و حدیث کی ایسی باتوں) پر اجمالاً عقیدہ رکھتے تھے (زیادہ تحقیق، کھود کرید، اور) تفتیش کی تشویش میں نہ پڑتے تھے۔ (الغرض عوام الناس کے لئے) ایسی تاویلات اُن کے دین کی حفاظت کا ذریعہ ہے، پس ایسے لوگوں کے لئے علماء متاخرین نے تاویلات کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ اور طالبین میں مخاطبین کے تحمل (یعنی اُن کے فہم کی ایسی) رعایت خود شریعت میں مطلوب ہے کما روی البخاری عن علی رضی اللہ عنہ قال: حدثوا الناس بما يعرفون، أتحبون أن يكذب الله ورسوله، وروی مسلم عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ أنه قال: ما أنت محدث قوماً حديثاً لا يبلغه عقولهم إلا كان لبعضهم فتنه. (امداد الفتاویٰ ۶/۲۹، ۲۸)

علماء دیوبند کا مسلک

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اپنے فتاویٰ میں اسی موضوع سے متعلق ایک سوال کے جواب میں اپنے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”میں اس عقیدے میں حضراتِ سلف کے مسلک پر ہوں کہ نصوص اپنی حقیقت پر ہیں مگر کنہ (حقیقت) اس کی معلوم نہیں، اور صوفیہ کے مذہب کو سلف کے خلاف نہیں سمجھتا، وہ حقیقت سے منکر نہیں بلکہ جہت کے منکر ہیں۔ بیان القرآن میں اس مقام کا حاشیہ ملاحظہ کر لیجیے کہ سلف کے مذہب کو اس میں ترجیح دی ہے۔

(امداد الفتاویٰ ۶/۲۵، سوال-۴۱۲)

بیان القرآن میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

”ثم استوى على العرش: سلف کا مذہب ایسے نصوص میں تفویض مراد کی حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف ہے یعنی جو استواء حق تعالیٰ نے مراد لیا ہے اور وہ حق تعالیٰ کی شان کے موافق ہے وہی مراد ہے، اور اکثر حضراتِ صوفیہ کا یہی مذہب ہے۔

(بیان القرآن سورۃ اعراف پ ۸ رکوع/۱۳)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے اس موضوع سے متعلق علماء عرب کے ایک سوال کے جواب میں علماء دیوبند کے مسلک کی وضاحت فرمائی ہے جو درج ذیل ہے۔

سوال: ما قولکم فی أمثال قوله تعالى الرحمن على العرش استوى.

هل تجوزون إثبات جهة ومكان للبارى تعالى أم كيف رأيكم فيه؟

الجواب: قلنا فى أمثال تلك الآيات إنا نؤمن بها ولا يقال كيف؟ و

نؤمن بالله سبحانه وتعالى متعال ومنزه عن صفات المخلوقين وعن سمات النقص والحدوث كما هو رأى قدمائنا، وأما ما قال المتأخرون من أئمتنا فى تلك الآيات يأولونها بتأويلات صحيحة سائغة فى اللغة والشرع بأنه يمكن أن يكون المراد فى الإستواء الإستيلاء ومن اليد القدرة إلى غير ذلك تقريباً إلى أفهام القاصرين فحق أيضاً عندنا، وأما الجهة والمكان فلا يجوز إثباتها له تعالى، ونقول إنه تعالى منزه ومتعال عنهما وعن جميع سمات الحدوث.

(ترجمہ سوال:) کیا کہتے ہو حق تعالیٰ کے اس قسم کے قول میں کہ رحمن

عرش پر مستوی ہوا؟ کیا جائز سمجھتے ہو باری تعالیٰ کے لئے جہت و مکان کا ثابت کرنا؟ یا کیا رائے ہے؟

(جواب) اس قسم کی آیات میں ہمارا مذہب یہ ہے کہ ان پر ایمان لاتے ہیں

اور کیفیت سے بحث نہیں کرتے، یقیناً جانتے ہیں کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ مخلوق کے اوصاف سے منزہ اور نقص و حدوث کی علامات سے مبرا ہے، جیسا کہ ہمارے متقدمین کی رائے ہے اور ہمارے متاخرین اماموں نے جو صحیح اور لغت و شرع کے اعتبار سے جائز تاویل میں فرمائی ہیں تاکہ کم فہم سمجھ لیں، مثلاً یہ کہ ممکن ہے کہ استواء سے مراد غلبہ ہو، اور ہاتھ سے مراد قدرت ہو، یہ بھی ہمارے نزدیک حق ہے، البتہ جہت و مکان کا اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرنا ہم جائز نہیں

سمجھتے، اور ہم یوں کہتے ہیں کہ وہ جہت و مکانیت اور جملہ علاماتِ حدوث سے منزہ و عالی ہے۔
(المختار علی المفتد ص ۴۴، سوال و جواب نمبر: ۱۴)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب کا نقطہ نظر

گذشتہ تفصیلات سے اچھی طرح یہ بات واضح ہو گئی کہ استواء علی العرش اور نزول باری تعالیٰ وغیرہ مباحث میں علماء دیوبند نے بھی اصلاً سلف اور محدثین ہی کے مسلک کو رائج قرار دیا اور پسند فرمایا ہے جیسا کہ حضرت تھانویؒ کی تحریر سے واضح ہے، البتہ خلف اور متکلمین نے توجیہ و تاویل کا جو طریقہ اختیار کیا ہے، علماء دیوبند اس کو بھی غلط نہیں کہتے، کیوں کہ عوام کی دینی مصلحت سے ایسا کرنا واقعی شرعی ضرورت ہے، اس لئے عوام کے تعلق سے اس کو بھی رائج قرار دیا اور پسند کیا ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ نے حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی ترجیح کے مطابق سلف صالحین اور محدثین ہی کے مسلک کو پسند کیا اور اُسی کو رائج قرار دیا ہے، لیکن خلف اور متکلمین کی رائے اور اُن کی توجیہات و تاویلات کو بھی غلط اور باطل قرار نہیں دیا، ان موضوع سے متعلق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ کی تقریر کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں، جن سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اس مسئلہ میں حضرت شیخ کا مسلک بھی وہی ہے جو حضرات اہل دیوبند کا ہے۔ اب اقتباسات ملاحظہ فرمائیے!

(۱) مسئلہ استواء اور مسئلہ عروج ملائکہ الی اللہ تعالیٰ یہ سب مسائل صفات اور تشابہات کے قبیل سے ہیں، اس کے اندر اسلم یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلف صالح کے مسلک کو اختیار کیا جائے یعنی تسلیم و تفویض سے کام لیا جائے، اور خلف تاویل کے قائل ہیں، مگر میں

خلف کے مسلک کو پسند نہیں کرتا ہوں۔ میری رائے یہ ہے کہ اس میں (یعنی حق تعالیٰ کے لئے جہتِ علو ثابت کرنے یا نہ کرنے میں) اگر گول گول بات رکھے کہ جتنا ثابت ہے اتنا ہی کہے، اپنی طرف سے نہ جہت کا دعویٰ کرے اور نہ کسی بات کا، تو زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔ (کتاب التوحید/۸۰)

(۲) احادیثِ صحیحہ بخاری و مسلم میں وارد ہیں (جن میں حق تعالیٰ کے لئے انگلیوں کا اثبات ہے) مسلم شریف میں ہے **إِنْ قُلُوبُ بَنِي آدَمَ بَيْنَ إِصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمَنِ** اس لئے جیسے اور نصوص صفات کے متعلق تسلیم و تفویض کا مسلک یا تاویل کا مسلک اختیار کیا جاتا ہے، ایسے ہی اس طرح کی نصوص میں اختیار کرنا چاہیے، اگر تسلیم و تفویض کا مسلک اختیار کیا جائے، تو میرے نزدیک اسلم یہی ہے۔

اور اگر تاویل کرنی ہو تو مطلب یہ ہے کہ انتہائی قدرت مراد ہے۔ آدمی کہتا ہے یہ تو میری چٹکیوں کے اندر ہے مطلب یہ ہے کہ یہ میرے لئے آسان ہے، اس کے کرنے میں مجھ پر کوئی بوجھ نہیں ہوتا۔ (کتاب التوحید/۱۰۷)

(۳) حق تعالیٰ نزول فرماتے ہیں، نزولِ رب سے کیا مراد ہے، اس میں اختلاف ہے، حنا بلہ اور عام محدثین تو اس کو اپنے ظاہر پر رکھتے ہیں، اور کہتے ہیں اس کی رحمت اور اُس کے اوامر کا نزول مراد ہے، لیکن اس کو اپنے ظاہر پر رکھا جائے بغیر تشبیہ و تمثیل کے تو زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے۔ (کتاب التوحید/۱۳۹)

(۴) اللہ تعالیٰ نے جب تک عرش کو پیدا نہیں کیا تھا، تب تک اُس کا وجود نہیں تھا اور جب اللہ نے ہر چیز سے پہلے اوپر عرش کو پیدا کیا تو حق تعالیٰ شانہ نے اوپر اپنا جلوہ فرمایا اور اپنی خاص تجلی فرمائی، اُس تجلی کو استواء سے تعبیر فرمایا گیا، اس سے زیادہ کہنے کی

ہمت نہیں، مسئلہ بڑا عجیب و غریب ہے، قرآن پاک میں جو چیزیں آگئی ہیں آدمی وہاں بغیر اپنے عقلی گھوڑے کو دوڑائے تسلیم و تفویض سے کام لے اور ایمان لائے، نہ تشبیہ کرے، نہ تعطیل کرے۔ زیادہ غلو نہیں کرنا چاہیے، نزول ہوتا ہے اس پر ایمان لاتے ہیں، مگر کیفیت نزول کیا ہے ہمیں معلوم نہیں، اللہ مستوی علی العرش ہے، ہم اس پر ایمان لاتے ہیں، لیکن کیفیت کیا ہے، ہم اس کو نہیں جانتے ہیں، جب اللہ کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں، تو اس کی صفت علو و نزول وغیرہ سے حقیقی واقفیت کس کو ہو سکتی ہے، یہاں تو وہی کہنا چاہیے جو سلف صالحین سے منقول ہے، **أَمْرُهَا كَمَا جَاءَتْ** جیسی آئی ہیں ویسے ہی انہیں گزار دو، اپنی طرف سے کچھ نہ کہو۔ (کتاب التوحید/ ۷۰، ۷۱)

حضرت شیخؒ کی تقریر کا خلاصہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ نے صفات باری تعالیٰ اور استوی علی العرش اور حق تعالیٰ کے نزول کے وغیرہ کے متعلق سلف و خلف کے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے جو کچھ ارشاد فرمایا اس سے چند باتیں واضح طور پر سمجھ میں آتی ہیں:

(۱) خلف اور متکلمین کے بہ نسبت آپ سلف اور محدثین

کے مسلک کو پسند فرماتے اور اور اسی کو رائج قرار دیتے تھے، جیسا

کہ حضرت تھانویؒ وغیرہ بھی اسی کو پسند فرماتے تھے۔

(۲) لیکن متکلمین و متاویلین کے مسلک اور ان کی

تاویلات کو غلط اور باطل نہیں قرار دیتے تھے، بلکہ بغیر ابطال و

تردید کے ان کو ذکر فرماتے تھے کما مر۔

(۳) استویٰ علی العرش کے مسئلے میں آپ کے نزدیک استواء سے مراد تجلی باری تعالیٰ ہے یعنی حق تعالیٰ نے عرش کو پیدا فرما کر اس پر اپنی خاص تجلی فرمادی، اسی کو استواء علی العرش فرمادیا گیا۔

اور واقعہ یہ ہے کہ استواء علی العرش سے حق تعالیٰ کی خاص تجلی مراد لینا جیسا کہ حضرت شیخؒ نے۔ اقتباس نمبر ۴۔ میں تحریر فرمایا ہے، یہ بھی ایک نوع کی تاویل ہی ہے۔ واللہ اعلم۔

اب ایک سوال یہاں پر یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت شیخؒ نے جو یہ فرمایا کہ: استواء علی العرش سے مراد یہ ہے کہ عرش پر حق تعالیٰ کی تجلی ہوگئی، اسی کو عرش پر مستوی ہونے سے تعبیر کیا گیا، سوال یہ ہے کہ عرش پر حق تعالیٰ کی تجلی ہونے سے کیا مراد ہے، اور اس میں عرش ہی کی کیا تخصیص ہے؟

اس کے سمجھنے لئے حضرت تھانویؒ کا ارشاد جو انہوں نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کئی کے حوالے سے ارشاد فرمایا تھا، بہت کافی ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں:

”حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ: نصوص میں ”اللہ استویٰ علی العرش“ نہیں فرمایا، بلکہ جابجا ”الرحمن علی العرش استویٰ“ آیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رحمت کی تجلی عرش پر زیادہ ہے، پس یہ تخصیص ایک خاص صفت کی تجلی کے اعتبار سے ہے، ذات کے اعتبار سے نہیں، اسی لئے احکام سب عرش سے آئے ہیں، کیوں کہ احکام میں رحمت کا خاص ظہور ہوتا ہے۔

متاخرین کے مسلک کے مطابق استوٰی علی العرش کی مناسب تاویل
حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ استواء علی العرش کے متعلق اپنے
مسلک و رجحان کو ظاہر کرتے ہوئے اور متاخرین کے مسلک کے مطابق تاویل کرتے
ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

”حق تعالیٰ مکان سے پاک ہے، اس لئے عرش کو مستقر خداوندی نہیں کہا جاسکتا،
اس سے یہ بھی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ استوٰی علی العرش کے معنی استقرار کے نہیں ہو سکتے،
کیوں کہ بیٹھنے کی جگہ وہ ہو سکتی ہے جو بیٹھنے والے سے زیادہ ہو یا کم از کم اس کے برابر تو ہو،
مثلاً: اگر ہم تخت یا کرسی پر بیٹھیں اور اس کے اوپر ایک تنکا پڑا ہوا ہو، تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ
ہم تنکے پر مستقر ہوئے، کیوں کہ اس کو ہم سے کچھ بھی نسبت نہیں، اس لئے وہ ہمارا مکان
نہیں بن سکتا، پس اسی طرح عرش خدا کا مکان نہیں بن سکتا، کیوں کہ اس کو خدا سے وہ
نسبت بھی نہیں، جو رائی کے دانے کو ہم سے ہے۔“

اس دلیل سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ استواء علی العرش کے معنی بیٹھنے کے ہرگز
یہاں نہیں ہو سکتے۔ اب سوال ہوگا کہ پھر کیا معنی ہیں؟ اس میں سلف کا مسلک تو یہ ہے کہ
سکوت کرو، اور واقعی سلامتی اسی میں ہے، مگر متاخرین نے بمصلحت وقت کسی مناسب
تاویل کر دینے کی اجازت دی ہے، جب مصلحت کی بنا پر تاویل کا باب مفتوح ہو گیا، تو ہر
شخص کو مناسب تاویل کر دینے کا حق ہے، ایک تاویل میرے ذہن میں اس آیت کی آتی
ہے، جو دوسری تاویلوں کی بنسبت اقرب اور بہت صاف ہے، مگر میرا طبعی مذاق سلف کے
موافق ہے (کہ سلف کے مسلک کے مطابق جتنا نصوص میں آیا ہے، اُس پر ایمان لایا

جائے باقی توجیہ و تاویل سے سکوت کیا جائے) لیکن جو بضرورت تاویل کرنا ہی پسند کرتے ہیں، وہ میری اس تاویل کو بھی انھیں تاویلوں میں جگہ دے دیں۔

میرے ذہن میں استویٰ علی العرش کے متعلق یہ بات آئی ہے کہ بعض آیات میں ”استویٰ علی العرش“ کے بعد ”یدبّر الامر“ بھی آیا ہے، جس کو استویٰ علی العرش کا بیان قرار دیا جائے تو یہ محاورہ ایسا ہو جائے گا کہ ہماری زبان میں بولا جاتا ہے کہ ”ولی عہد تخت نشین ہو گیا“ عرف میں تخت نشین ہونے کے معنی حکمراں ہونے کے ہیں، خاص تخت پر بیٹھنا ضروری نہیں، اسی طرح استویٰ علی العرش کے معنی تدبیر حکمرانی فرمانے کے ہیں، یعنی زمین و آسمان کو پیدا فرما کر حق تعالیٰ شانہ ان آسمان و زمین میں حکمرانی و تدبّر و تصرف کرنے لگے، پس اگر تاویل کی جائے تو یہ تاویل بھی عمدہ اور لطیف تاویل ہے، پس یہ کنایہ ہوگا۔ (وعظ راس الربیعین لمحقة مواضع میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم / ۳۳۳)

ما قبل میں ذکر کردہ پوری تفصیل سے اچھی طرح بات واضح ہو گئی کہ استویٰ علی العرش اور صفات باری تعالیٰ کے مسئلے میں سلف اور متکلمین نے جو بحثیں کی ہیں، اُن سب کو پیش نظر رکھتے ہوئے سلف کے مسلک کو ترجیح دینا اور اسی کو اختیار کرنا یہ صرف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ ہی کا مختار نہیں ہے، اور وہ اس میں منفرد نہیں ہیں، بلکہ ہمارے دوسرے اکابر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ وغیرہ نے بھی سلف کے مسلک ہی اختیار فرمایا اور اسی کو ترجیح دی ہے۔ یہی ہمارے اکابر کا مسلک ہے، البتہ عوام کی مصلحت اور دینی ضرورت کے پیش نظر خلف اور متکلمین کے مسلک کو یعنی استویٰ علی العرش اور صفات باری تعالیٰ میں توجیہ و تاویل کی بھی اجازت دی ہے، جس کی تفصیل ما قبل میں گذر چکی۔ یہ ہے اصل مسئلہ کی حقیقت، اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر چلنے اور ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللھم ارنا الحق حقاً و ارزقنا اتباعه و ارنا الباطل

باطلاً و ارزقنا اجتنابه، اللهم ثبت أقدامنا على صراطك المستقيم واهدنا إلى
سواء الطريق و صلى الله تعالى على خير خلقه محمد و على اله و أصحابه
أجمعين. برحمتك يا أرحم الراحمين.

تحقیق کی بنا پر بعض مسائل میں اپنے امام یا فقہاء مجتہدین کے
خلاف رائے قائم کرنا ان کی تقلید و اتباع کے منافی نہیں
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب ایک سوال کے جواب میں تحریر
فرماتے ہیں:

”محققین کی رائے تو یہ ہے کہ اگر محقق کو کوئی بات دلائل کی
روشنی میں احادیث کے مطابق معلوم ہو اور وہ امام صاحب کے
قول کو چھوڑ دے، تو یہ خلاف تقلید امام نہیں ہے، اس لئے کہ خود
امام ابو حنیفہ کا ارشاد ہے اذا صح الحديث فهو مذهبي.

(ابن عابدین ۱/۴۶)

یہ عجیب بات کہہ دی کہ اگر کوئی کسی کی ہر بات میں
موافقت کرتا ہو اور اتفاق سے ایک یا دو باتوں میں جو اس کے
نزدیک اولیٰ اور رائج ہیں اگر موافقت نہ کرے، تو کیا ایسے شخص کو
اس کا مخالف قرار دیں گے؟ ہرگز نہیں، اس قسم کا اختلاف تو باپ
اور بیٹوں میں ہوا کرتا ہے، استاذ اور شاگردوں میں ہوا کرتا ہے، مگر
اس کو مخالفت سے تعبیر نہیں کرتے ہیں، اب اگر اتفاق سے اتباع

امام نے امام صاحب سے بعض مسائل میں دلائل کی وجہ سے مخالفت کی ہے، تو یہ متابعت کے خلاف نہیں ہے، آخر حضراتِ صاحبین نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی کتنے مسائل میں مخالفت کی ہے، پھر کوئی ان کے بارے میں یہ خیال رکھتا ہے کہ وہ امام صاحب کے خلاف ہیں؟ میرے کہنے کا حاصل یہ ہے کہ ایک بلکہ اس سے بھی زیادہ مسائل میں اگر کوئی مخالفت کرے اور دلیل کے تابع ہو کر کرے، تو یہ مخالفتِ امام نہیں ہے۔ بعض مسائل بظاہر امام صاحب سے منقول ہیں اور صاحبین اس کے خلاف کے قائل ہیں، بلکہ بعض میں تو صاحبین ہی کے قول پر فتویٰ ہے، اور ۱۷ یا ۲۰ مسائل تو ایسے ہیں کہ امام زفرؒ کے قول پر فتویٰ دیا گیا ہے، لیکن کوئی بھی اس سبب سے حنفیت سے خارج نہیں ہوا۔“ (نوار الفقہ ۷۲/۷)

حضرت شیخؒ نے جو کچھ بھی تحریر فرمایا ہے، ہمارے دوسرے اکابر بھی اسی حقیقت کو لکھتے چلے آ رہے ہیں، چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں:

”اعتقاد میں ایسا غلو ٹھیک نہیں، ہم کوئی موسیٰ علیہ السلام تو ہیں نہیں، جب ہم جیسے نالائق امام اعظم کے بعض فتوؤں کو غلط کہہ دیتے ہیں، تو ہمارے فتوے کیا چیز ہیں۔“ (حسن العزیز ۲/۷۰۳)

نیز ارشاد فرماتے ہیں:

”اگر کسی اور جزئی میں بھی ہم کو معلوم ہو جائے کہ حدیث صریح منصوص کے خلاف ہے، تو اس کو بھی چھوڑ دیں گے، اور یہ تقلید کے خلاف نہیں، آخر

بعض مواقع میں امام صاحب کے اقوال کو بھی چھوڑا گیا ہے، ہاں جس جگہ حدیث کے متعدد محمل ہوں وہاں جس محمل پر مجتہد نے عمل کیا ہے، ہم اسی پر عمل کریں گے۔“ (الکلام الحسن/۶۵)

نیز ارشاد فرماتے ہیں:

’اگر قول ابی حنیفہ کو ہم کسی آیت یا حدیث کے خلاف دیکھیں گے، تو اس وقت بے شک اس کو ترک کریں گے۔“ (القول الجلیل/۷۰)

الحمد للہ اس کے مطابق ہمارے اکابر مثلاً حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ، حکیم الامت حضرت تھانویؒ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا بھی عمل رہا ہے، جس کی چند مثالیں آگے آرہی ہیں، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ نے بھی اکابر کے اس طرز کو اختیار فرمایا اور آپ نے بھی بہت سے مسائل میں اپنی تحقیق کے مطابق حنفی مسلک سے ہٹ کر دوسری رائے کو ترجیح دی، لیکن خود آپ ہی کی تصریح کے مطابق اس کی وجہ سے ایسے محقق پر نہ تو اپنے امام کی مخالفت کا الزام عائد کیا جاسکتا ہے، اور نہ محض اس کی وجہ سے اس کو اپنے مسلک سے جس کا وہ پابند تھا (مثلاً حنفیت) سے خارج کیا جاسکتا ہے۔

مسائل کی تحقیق میں ہمارے اکابر علماء کا تفوق و امتیاز

اور عدل و انصاف اور دیانت کی چند مثالیں

الحمد للہ! ہمارے اکابر علماء و فقہاء کو اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت بخشی ہے کہ بہت سے مسائل میں جب ان کی تحقیق کے مطابق کسی مسئلے میں فقہاء متقدمین کی رائے مرجوح اور

حدیث کے خلاف تھی، تو پوری بحث و تحقیق کے بعد انہوں نے واضح فرمادیا کہ اس مسئلہ میں فلاں امام و مجتہد کی بات یا فلاں فقیہ کی تحقیق کمزور اور ظاہر حدیث کے خلاف ہے، اس لئے مرجوح ہے اور اپنے امام کی رائے کے خلاف دوسری رائے کو رائج قرار دیا، اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

پہلی مثال

(۱) حدیثوں میں زوال کے بعد چار رکعتوں کے پڑھنے کا ذکر ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَصَلِّي أَرْبَعًا بَعْدَ أَنْ تَزُولَ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ

(ترمذی شریف)

اب سوال یہ ہے کہ اس حدیث پاک میں کون سی چار رکعات مراد ہیں؟ حضرات احناف فرماتے ہیں کہ اس سے ظہر سے پہلے کی چار سنتیں ہی مراد ہیں جو ان کو پڑھے گا اس کو فضیلت حاصل ہوگی، جب کہ حضرات شوافع فرماتے ہیں کہ اس سے ظہر سے پہلے کی سنتوں کے علاوہ چار نوافل مراد ہیں، جیسے صلوٰۃ الاشراف ہوتی ہے، اسی طرح صلوٰۃ الزوال بھی ہے اور یہ بھی مسنون ہے، اسی نفل نماز کی فضیلت کو حدیث پاک میں بیان کیا گیا ہے۔

لیکن حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے حدیث مذکور کے پیش نظر حنفی مسلک کے خلاف شوافع کے مسلک کو ترجیح دی، اور اسی کو اختیار فرمایا ہے، چنانچہ اسی حدیث پاک کے تحت ”الکوکب الدری“ میں ارشاد فرماتے ہیں:

قوله: ”أربع بعد الزوال“ قال بعضهم هذه سنن الظهر والحق أنها غيرها.

(الکوکب الدری، ص ۱۹۳، مطبوعہ مکتبہ میحوی سہارنپور)

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اسی حدیث کے تحت ارشاد فرماتے ہیں:

”مذکورہ دونوں حدیثوں میں جن چار رکعات نماز کا حکم ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان سے مراد ظہر کی سنن قبلہ ہیں، جب کہ شافعیہ کے نزدیک یہ سنن زوال ہیں، اور حضرت گنگوہیؒ کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ (درس ترمذی ۲/۲۴۶)

دوسری مثال

(۲) صحیح حدیثوں میں غروب آفتاب کے بعد قبل المغرب دو رکعات نفل پڑھنے کا ذکر ہے، احناف کا اصل مسلک ممانعت کا ہے، چنانچہ متون میں اسی ممانعت کا تذکرہ ہے، صاحب درمختار نے کراہت ہی کے قول کو ترجیح دی ہے،

و کرہ نفل قبل صلوة المغرب. (درمختار شامی ۱/۲۷۷، مجمع الانهر ۱/۷۴)

لیکن حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے حدیث صحیح کے پیش نظر صاف طور پر فرما دیا کہ حق تو یہی ہے کہ یہ نماز مکروہ نہیں ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

باب ماجاء فی الصلوة قبل المغرب ، هذا مما اختلف فيه علماؤنا ، والصحيح عدم كراهتها إذا لم يخف فوات التكبيرة الأولى من صلوة المغرب۔ (الکوکب الدزى ص ۱۰۳)

الغرض مذکورہ ان دونوں مسئلوں میں حضرت گنگوہیؒ نے اپنی تحقیق کے مطابق حدیث صحیح کے پیش نظر حنفی مسلک کے بجائے دوسرے مسلک کو ترجیح دی ہے، ایک مثال اور ملاحظہ فرمائیے!

تیسری مثال

(۳) حنفی مسلک کا بہت معروف و مشہور مسئلہ ہے کہ فجر کی نماز پڑھتے پڑھتے اگر سورج نکل آئے تو فجر کی نماز نہ ہوگی، بعد میں قضا کرنی پڑے گی، اور عصر کی نماز پڑھتے پڑھتے اگر سورج غروب ہو جائے تو نماز ہو جائے گی، بعد میں ادا کرنے کی ضرورت نہیں، احناف کا یہ مشہور مسئلہ ہے اور اسی پر فتویٰ بھی دیا جاتا ہے، اور اس میں لمبی لمبی بحثیں اور دلیلیں بیان کی گئی ہیں کما فی رد المحتار لائن وقت الفجر کلمہ کامل فوجبت کاملۃ فبطل بطرو الطلوع الذی ہو وقت فساد۔۔۔۔۔ علی أن الإمام الطحاوی قال: إن الحديث منسوخ بالنصوص الناهية، و ادعی أن العصر تبطل كالفجر الخ (شامی ۱/۲۷۴)

جب کہ حدیث پاک میں فجر و عصر دونوں کا ایک حکم بیان کیا گیا ہے یعنی فجر پڑھتے ہوئے طلوع آفتاب ہو جائے یا عصر پڑھتے ہوئے غروب آفتاب ہو جائے دونوں صورتوں میں نماز ادا ہو جائے گی۔

قال النبی ﷺ من أدرک من الصبح رکعة قبل أن تطلع الشمس فقد أدرک الصبح و من أدرک من العصر رکعة قبل أن تغرب الشمس فقد أدرک العصر۔ (سنن الترمذی)

لیکن حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے لمبی بحث کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ اس مسئلہ میں فجر اور عصر دونوں برابر ہیں یعنی دونوں نمازیں ہو جائیں گی، اور اس سلسلہ میں فقہاء احناف نے جس فرق کو بیان کیا ہے، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اس کو باطل

قرار دیتے ہوئے اخیر میں اسی بات کو تحریر فرمایا ہے کہ فجر کی نماز پڑھتے ہوئے اگر طلوع آفتاب ہو جائے، تو یہ نماز بھی ہو جائے گی، فرض ذمہ سے ساقط ہو جائے گا، چنانچہ بحث کرتے ہوئے اخیر میں تحریر فرماتے ہیں:

والذی ذهب إليه الأحناف هو الفرق بين العصر والفجر في ذلك الحكم فإذا كان كذلك فبعد خروج الوقت سواء كان في الفجر أو العصر لا يؤد به العبد إلا من عنده فيستويان في أن كلًا من عنده ... فبطل الفرق الذي بينه فافهم -- فالمعنى أن من لحق برکعة من الفجر قبل طلوع الشمس فقد أدرك الفجر بمعنى أن النائم مثلاً والساهى أو المقصر إذا شرع في الصلوة والباقي من الوقت لم يكن إلا قدر ركعة لو صلى وأتم صلواته جازت صلواته.

(الکوکب الدرّی ص ۱۰۳ تا ۱۰۵)

الغرض فقہ حنفی کا ایک مشہور مسئلہ جو عام طور پر کتب فقہ میں مذکور ہے اور مفتی بہ بھی ہے، لیکن حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اپنی تحقیق کے مطابق اس مسئلہ میں حنفی مسلک کو قبول نہ کرتے ہوئے دوسری رائے کو اختیار فرمایا، لیکن اس کے باوجود محض اس کی وجہ سے ان کو حنفیت سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔

چوتھی مثال

(۴) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں:

”اگر امام کی دلیل سوائے قیاس کے کچھ نہ ہو اور حدیث معارض موجود ہو تو قول امام کو چھوڑ دیا جاتا ہے، جیسے ماأسکر کثیرہ فقلیلہ حرام میں ہوا ہے کہ امام صاحب نے قدر غیر مسکر کو جائز کہا ہے اور حدیث میں اس کے خلاف تصریح موجود ہے، یہاں امام صاحب کے قول کو چھوڑ دیتے ہیں۔ (حسن العزیز ۴/ ۳۹۷)

پانچویں مثال

(۵) دعاء توجیہ یعنی اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهَیْ لِلدِّیْنِ فَطَرَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا لِّخ کے متعلق متاخرین فقہاء احناف نے تصریح فرمائی ہے کہ اس دعا کو تکبیر تحریمہ سے پہلے پڑھنا چاہیے اور تکبیر تحریمہ کے بعد صرف ثنائی پڑھنا چاہیے، جب کہ متعدد احادیث میں نماز کے اندر تکبیر تحریمہ کے بعد دعاء توجیہ پڑھنے کا ذکر ملتا ہے، لیکن فقہاء احناف نے عموماً اس کو تکبیر تحریمہ سے قبل پڑھنے پر محمول کیا ہے، چنانچہ نہایت بنیاد پر شرح ہدایہ میں ایسا ہی لکھا ہوا ہے۔

لیکن حضرت مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلیؒ نے واضح طور پر فرمادیا کہ فقہاء کی یہ بات خلاف سنت ہے، احادیث مبارکہ میں دعاء توجیہ کا نماز کے اندر یعنی تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھنا منقول ہے نہ کہ پہلے، چنانچہ نسائی شریف میں محمد بن مسلمہ کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے، اس لئے حضرت مولانا عبدالحی صاحبؒ نے اسی کو رائج قرار دیا ہے۔

قال الفاضل اللکنوی فی عمدة الرعاية: اختار المتأخرون یعنی من الحنفية أن یقرأنی وجهت وجهی قبل التحریمة لیكون أبلغ فی إحضار القلب وجمع العزیمه كما ذكره فی النهایة والبنایة و غیرهما لکن هذا مما لا أصل له فی السنة وإنما الثابت فی الأحادیث التوجیه فی الصلاة لا قبلها. انتهى كلامه.

(عمدة الرعاية حاشیہ شرح وقایہ، ص ۱۴۲ ج ۱ حاشیہ نمبر ۱۰، تحفة الأخوذی: ۲/۴۷)

چھٹی مثال

(۶) جس برتن میں کتے نے منہ ڈال دیا ہو یعنی کتے کے جھوٹے برتن کو پاک کرنے کے سلسلے میں روایات دو طرح کی ہیں: بعض میں تین مرتبہ دھونے کا ذکر ہے، بعض میں سات مرتبہ دھونے کا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تین مرتبہ دھونے سے

برتن پاک ہو جائے گا، حضرات شوافع، مالکیہ، حنابلہ کے نزدیک سات مرتبہ دھونا واجب ہے، احناف نے تین مرتبہ دھونے والی روایات کو اختیار کیا ہے، اور سات مرتبہ دھونے والی روایات کو استحباب یا نسخ پر محمول کیا ہے۔ علامہ ابن ہمامؒ نے فتح القدیر میں تحقیقی کلام فرماتے ہوئے احناف کے مسلک کو مدلل فرمایا ہے، لیکن حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی حنفی کی تحقیق کے مطابق سات مرتبہ دھونے والی روایات زیادہ قوی ہیں، اس لئے انہوں نے سعایۃ شرح شرح وقایہ میں انہی کو رائج قرار دیا ہے، اور علامہ ابن ہمامؒ کے دلائل کا تعاقب کیا ہے، چنانچہ بحث کرتے ہوئے اخیر میں تحریر فرماتے ہیں:

ولعل المنصف غیر المتعسف یعلم بعد ملاحظة هذا البحث ضعف
کلام أرباب التثلیث و قوة کلام أصحاب التسبیع و التثمین فتأمل فی هذا
المقام فإن المقام من مزال الاقدام حتی زل قدم الهجام بن الهمام.
(السعایة، تحفة الاحوذی: ۲۵۸/۱)

ساتویں مثال

(۷) بیع و شراء میں ایجاب و قبول کے بعد بھی بائع و مشتری کو خیارج مجلس (یعنی مجلس بیع کے اندر اس معاملہ کو فسخ کرنے کا اختیار ہوگا یا نہیں؟) اسی اختیار کو خیارج مجلس کہتے ہیں، شوافع و حنابلہ اس کے قائل ہیں، احناف و مالکیہ اس کے قائل نہیں، حدیث ”البیعان کل واحد منهما بالخیار علی صاحبہ ما لم یتفرقا“ میں اس اختیار کا تذکرہ ہے، حضرت عبداللہ بن عمر جو اس حدیث کے راوی ہیں، وہ بھی خیارج مجلس کے قائل تھے، اور حدیث میں تفرق سے تفرق بالابدان مراد لیتے تھے، لیکن احناف خیارج مجلس کے قائل نہیں، اور اس حدیث کی تاویل کرتے ہیں کہ اس سے تفرق بالاقوال مراد ہے۔ اور احناف نے اپنے

مسلم کی تائید میں قرآن وحدیث کے مضبوط دلائل بیان کیے ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے ”تکملہ فتح الملہم شرح مسلم“ میں اس کو تفصیل سے ذکر کیا ہے، لیکن اس کے بعد اخیر میں اپنی رائے یہ ظاہر فرمائی ہے کہ احناف کے تمام دلائل نظر سے خالی نہیں، صحابی رسول عبداللہ بن عمر نے حدیث بالا میں تفرق سے تفرق بالابدان ہی مراد لیا ہے۔ جس سے خیالِ مجلس ثابت ہوتا ہے، اخیر میں اپنی رائے کی تائید میں حضرت مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی کا کلام بھی ذکر کیا ہے کہ انہوں نے بھی اسی کو رائج قرار دیا ہے، علامہ شیخ محمد تقی عثمانی تحریر فرماتے ہیں:

”قال العبد الضعیف لكن الحقيقة أن قلبی لا ینشرح لما قاله الحنفیة فی الاعتذار عن حدیث الباب، ففی جمیع دلائلهم و تاویلاتهم عندی نظر لأن ابن عمر رضی اللہ عنہما فهم من هذا الحدیث التفرق بالابدان و أن موضوعه ثبوت خیال المجلس. وقال الشیخ اللکنوی فی التعليق الممجد و فهم الصحابی و إن لم یکن حجة لكنه أولى من فهم غیره بلا شبهة.

(فتح الملہم شرح مسلم باب ثبوت خیال المجلس: ۷/۳۵۹)

یہ صرف چند مثالیں احقر نے بطور نمونے کے عرض کی ہیں ورنہ اکابر علماء، فقہاء و محدثین کے یہاں اس کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں کہ ان کی تحقیق انیق کے مطابق جو بات ان کے نزدیک رائج تھی اس سلسلہ میں انہوں نے نہایت عدل و انصاف اور دیانت داری کے ساتھ اس کو ظاہر فرمادیا، گو وہ ان کے مسلک اور ان کے امام و مجتہد کے مسلک کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، الحمد للہ ہمارے اکابر اس عدل و انصاف اور علمی دیانت داری میں بھی ممتاز ہیں۔

ہمارے بزرگ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب بھی اپنے اکابر و

اسلاف کے نقش قدم پر تھے کہ جس مسئلہ میں تحقیق کے بعد اپنے امام اور اکابر و اسلاف کی رائے کے خلاف دوسری رائے رائج سمجھ میں آئی تو آپ نے اس کا بلا تکلف اظہار فرمایا اور اپنے اکابر اور فقہائے احناف کی رائے سے اختلاف فرمایا، نہ یہ کوئی نئی بات ہے، اور نہ ہی قابل اعتراض بات ہے، بلکہ علمی دیانت داری کا تقاضا ہے، اور جن اختلافی مسائل میں آپ کی رائے احناف کے مسلک کے مطابق تھی ان میں آپ نے حنفی مسلک کی پوری تائید اور وکالت بھی فرمائی ہے۔ جس کی متعدد مثالیں ماقبل میں ذکر کی گئیں، اور جن بعض مسائل میں آپ نے مسلک احناف یا اکابر کی کسی رائے سے اختلاف فرمایا، اس کے متعلق واضح طور پر یہ قاعدہ بیان فرما دیا کہ چند مسائل میں تحقیق کی بنا پر اپنے امام کے خلاف رائے اختیار کرنے سے وہ شخص حنفیت سے خارج نہیں ہو جاتا۔ جیسا کہ حضرت کے حوالے سے یہ بات ماقبل میں ذکر کی جا چکی۔

دوسرے محققین کی چند اور مثالیں

فائدہ: عدل و انصاف اور علمی دیانت داری کے متعلق ہمارے اکابر کا جو معمول رہا اس کی چند مثالیں ماقبل میں ذکر کی گئیں، دوسرے حضرات محققین و محدثین کے یہاں بھی یہ چیزیں ملتی ہیں تتمیم فائدہ کے لئے اس کی بھی چند مثالیں عرض کی جاتی ہیں:

(۱) علامہ ابن تیمیہ و ابن قیمؒ نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا انکار کرتے ہیں، انھیں کی اتباع میں حضرات غیر مقلدین بھی فرض نمازوں کے بعد نہ تو خود دعا کرتے ہیں اور جو لوگ دعائیں کرتے ہیں ان پر نکیر کرتے، بلکہ اس کو بدعت کہتے ہیں، اور علامہ ابن قیمؒ نے تو ”زاد المعاد“ میں یہاں تک لکھ دیا کہ نماز کے بعد امام یا مقتدی کا قبلہ رو ہو کر

دعا کرنا کسی صحیح یا حسن حدیث سے ثابت نہیں اور نہ ہی حضور ﷺ کا معمول تھا۔

قال الحافظ ابن قیم فی زاد المعاد: وأما الدعاء بعد السلام من الصلاة مستقبل القبلة أو المأمومين فلم يكن ذلك من هديه ﷺ أصلاً ولا زوى عنه باسناد صحيح ولا حسن (تحفة الاحوذی/ ۱۶۸)

چنانچہ اسی بنا پر حضرات غیر مقلدین فرض نمازوں کے بعد دعا کا انکار کرتے ہیں اور اس عمل خیر سے محروم ہیں، لیکن غیر مقلدین کے بڑے درجے کے عالم شارح ترمذی صاحب تحفۃ الاحوذی علامہ مبارکپوریؒ نے ابن قیمؒ کا کلام نقل کرنے کے بعد تفصیلی کلام کیا ہے، جس میں ابن قیمؒ کا رد کیا ہے، اور پانچ معتبر حدیثیں ذکر کی ہیں، جن سے فرض نمازوں کے بعد دعا کرنے کا ثبوت ہوتا ہے، بلکہ ابن قیمؒ ہی کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ دوسرے موقع پر علامہ ابن قیمؒ نے بھی نماز کے بعد دعاؤں کو ذکر فرمایا ہے اور اخیر میں صاحب تحفۃ الاحوذی نے اپنا فیصلہ یہ تحریر فرمایا ہے کہ:

میرے نزدیک رائج یہی ہے کہ نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں، علامہ کی عبارت درج ذیل ہے:

قلت لا ريب في ثبوت الدعاء بعد الإنصراف من الصلاة المكتوبة عن رسول الله ﷺ قولاً وفعلاً وقد ذكره الحافظ ابن القيم أيضاً في زاد المعاد حيث قال في فصل: ما كان رسول الله ﷺ يفعل بعد الفراغ من الصلاة. "أما الدعاء بعد السلام من الصلاة مستقبل القبلة أو المأمومين فلم يكن ذلك من هديه ﷺ لا أدرى ما معناه وما مراده بهذا؟

القول الراجح عندي أن رفع اليدين في الدعاء بعد الصلاة جائز لو فعله أحد لا بأس عليه إن شاء الله تعالى. (تحفة الأحوذی: ۱۶۸/۲ و ۱۷۳)

دوسرے موقع پر علامہ مبارک پوریؒ نے ترمذی کی ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے سے نماز ناقص ہوتی ہے۔ (تقنع یدیک) اُی ترفع بعد الصلوٰۃ یدیک للدعاء، من لم يفعل ذلك فهو خداج۔ (تحفة الاحوذی: ۳/۳۲۷، ترمذی حدیث: ۳۸۳)

علامہ مبارک پوریؒ نے غیر مقلدین کے معروف مسلک اور ان کے طریقے کے خلاف احادیث مبارکہ کی روشنی میں یہ تحقیق ذکر فرمائی، لیکن شاید حضراتِ اہل حدیث غیر مقلدین کو اس کا علم نہیں۔ واللہ اعلم

(۲) اسی طرح حضراتِ غیر مقلدین کے نزدیک شعبان کی پندرہویں شب۔ جس کو شبِ براءت کہا جاتا ہے۔ کی کوئی اہمیت اور اس کی کوئی فضیلت نہیں، اس رات میں اہتمام سے جاگنے اور عبادت کرنے کو بدعت کہتے ہیں۔ اور جو لوگ اس کا اہتمام کرتے ہیں، ان پر نکیر کرتے ہیں اور رسائل و اشتہارات میں اس کو بدعت لکھتے ہیں۔ لیکن انھیں غیر مقلدین کے پیشوا و مقتدا علامہ مبارک پوریؒ نے تحفة الاحوذی شرح ترمذی میں شبِ براءت کی فضیلت سے متعلق ایک دو نہیں متعدد حدیثیں ذکر فرمائی ہیں اور اخیر میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ حدیثیں اُن لوگوں کے خلاف حجت ہیں، جو شعبان کی پندرہویں شب کی فضیلت کا انکار کرتے ہیں۔ فہذہ الأحادیث بمجموعہا حجة علی من زعم أنه لم یثبت فی فضیلة لیلة النصف من شعبان شیء۔

(تحفة الاحوذی: ۳/۳۶۷ باب ماجاء فی لیلة النصف من شعبان)

(۳) اسی طرح جمعہ کی نماز میں حالتِ تشہد میں امام کو پالینے سے جمعہ کی نماز پالینے والا سمجھا جائے گا یا نہیں؟

اکثر علماء، سفیان ثوری، عبد اللہ ابن مبارک، امام شافعی، امام احمد و اسحاق انکار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ بعد السلام اس کو ظہر کی چار رکعت پڑھنی پڑیں گی، لیکن حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ قعدہ میں امام کو پالینے سے بھی وہ جمعہ کی نماز کو پالے گا، اور بعد السلام جمعہ کی صرف دو رکعت ادا کرے گا۔ علامہ مبارک پوری نے اکثر ائمہ کے خلاف واضح طور پر امام ابو حنیفہؒ کی رائے کو اختیار فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: والأصح عندی ما ذهب إليه أبو حنيفة من أن من أدرك مع الإمام شيئا من صلاة الجمعة ولو في التشهد يصلي ما أدرك معه ويتم الباقي ولا يصلي الظهر.

(تحفة الاحوذی: ص ۵۱ ج ۳)

(۴) اسی طرح حضرات غیر مقلدین کا یہ مسلک مشہور ہے کہ خروجِ رتخ سے وضو اس وقت ٹوٹتا ہے، جب اس میں آواز ہو یا بدبو ہو، ورنہ بغیر بدبو اور بغیر آواز کے جو رتخ خارج ہو وہ ناقض وضو نہیں، کیوں کہ حدیث پاک میں آیا ہے: فلا يخرج حتى يسمع صوتاً أو يجد ريحاً“

لیکن علامہ مبارک پوریؒ نے اس کی شرح میں غیر مقلدین کے مشہور مسلک کے خلاف شرح السنۃ کے حوالے سے واضح طور پر تحریر فرمایا ہے کہ اگر خروجِ رتخ کا یقین ہو جائے خواہ بدبو ہو یا نہ ہو، آواز ہو یا نہ ہو بہر حال وضو ٹوٹ جائے گا۔

قال في شرح السنۃ معناه حتى يتيقن الحدث لأن سماعت الصوت أو وجدان الريح شرط..... إلى أن قال وينتقض طهره إذا تيقن الحدث

(تحفة الاحوذی ص ۲۰۸ ج ۱)

(۵) حضرات غیر مقلدین کے یہاں خفین یعنی چمڑوں کے موزوں کے علاوہ

جورین اور سادے موزوں پر بھی مسح کرنے کی گنجائش ہے اور ان کا معمول بھی ہے، احناف اس کو منع کرتے ہیں اور کچھ شرطوں کے ساتھ اس کی اجازت دیتے ہیں، جو حضرات مطلقاً جورین پر مسح کی اجازت دیتے ہیں، وہ مسند احمد کی ایک روایت سے استدلال کرتے ہیں، لیکن صاحب تحفۃ الاحوذی علامہ مبارک پوریؒ نے اس مسلک کے خلاف اسی مسلک کو اختیار کیا اور اُسی کو رائج قرار دیا ہے، جس کو احناف نے اختیار کیا ہے، اور احناف نے جن شرطوں کے ساتھ جورین پر مسح کرنے کی اجازت دی ہے، انھیں شرطوں کو علامہ مبارک پوریؒ نے بھی ذکر فرمایا ہے، اور جو لوگ مسند احمد کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں، ان کی تردید فرمائی ہے۔

وَأَمَّا إِذَا كَانَ رَقِيقِينَ بِحَيْثُ لَا يَسْتَمْسِكَانِ عَلَى الْقَدَمَيْنِ بَلَا شَكٍّ وَلَا يُمْكِنُ الْمَشْيُ فِيهِمَا فَهِيَ لَيْسَ بِمَعْنَى الْخَفِينِ وَفِي جَوَازِ الْمَسْحِ عَلَيْهِمَا عِنْدِي تَأْمَلُ۔ (تحفۃ الاحوذی باب ما جاء في مسح على الجورین ۱/ ۲۸۶، ۲۸۷)

یہ چند مثالیں احقر نے تنمیم فائدہ اور مزید معلومات کی غرض سے عرض کی ہیں، ورنہ اصل مضمون یہ چل رہا تھا کہ حضرات محققین و محدثین کی شان یہ ہے کہ ان کی تحقیق کے مطابق اگر ان کے اکابر و اسلاف یا ان کے مسلک یا امام کی بات مرجوح ہو اور شرعی دلیل سے اس کے خلاف ان کے نزدیک رائج ہو، تو وہ ایسے وقت میں مسلکی تعصب سے بلند و بالا تر ہو کر علمی دیانت کے تقاضے کے مطابق اپنی رائے کو ظاہر فرما دیتے تھے، الحمد للہ ہمارے اکابر ایسے ہی تھے، جس کی کچھ مثالیں ماقبل میں ذکر کی گئیں۔ ہمارے شیخ مولانا محمد یونس صاحبؒ کا بھی یہی حال تھا، جس کی متعدد مثالیں مستقل مضمون میں بھی انشاء اللہ کسی موقع سے عرض کی جائیں گی۔

حضرت شیخؒ کے مسلک کا خلاصہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونسؒ کی تقریرات و تحریرات کو دیکھ کر واضح طور پر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ آپ اپنے اکابر و اساتذہ کے نقش قدم پر ایمانیات، عبادات، معاملات، معاشرت وغیرہ سے متعلق تمام مسائل میں اصلاً حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مقلد اور تابع تھے، زندگی کے تمام شعبوں میں حنفی مسلک کے مطابق ہی ان کا عمل رہا، حنفی مسلک پر جن لوگوں نے اشکالات کئے، آپ نے ان کے جوابات بھی تحریر فرمائے جس میں حنفی مسلک کو مدلل فرمایا جس کی متعدد مثالیں ماقبل میں گزر چکیں، البتہ بعض مسائل میں مثلاً حدیث مضرات سے متعلق مسئلہ یا اسی نوع کے بعض مسائل میں تحقیق کی بنیاد پر آپ نے حنفی مسئلہ کے مقابلے میں دوسرے مسلک کو رائج قرار دیا آپؒ کی جملہ تقریرات و تحریرات اور حضرت کی پوری زندگی کو دیکھ کر خلاصہ کے طور پر چند باتیں آپ کے متعلق سمجھ میں آتی ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) خروج عن اختلاف العلماء کی کوشش

اولاً آپ خروج عن اختلاف العلماء کی کوشش فرماتے تھے یعنی ایسے طور پر عمل کرتے جس سے تمام مسالک پر عمل ہو جائے، کسی مذہب کی مخالفت لازم نہ آئے، جو خاص ذوق تھا حضرت مجدد الف ثانیؒ کا، چنانچہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے حضرت مجدد صاحب کے متعلق نقل فرمایا ہے کہ حضرت مجدد صاحب فرماتے ہیں:

”چونکہ میں مذاہب کے جمع کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ الخ“

ٹھیک یہی ذوق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ کا بھی تھا، چنانچہ حضرت کے بعض سوانح نگاروں نے اس کی صراحت بھی فرمائی ہے، حضرت شیخؒ کے خلیفہ حضرت مولانا محمد یوسف دامت برکاتہم ٹنکاروی تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت فرماتے تھے کہ میں عموماً خروج عن الخلاف کی کوشش کرتا ہوں کہ میرا عمل ہر امام کے مسلک کے مطابق درست ہو، اور خروج عن الخلاف کی صورت اختیار کرنا تو مستحب و مستحسن ہے، اس میں کس کو اختلاف ہے۔“

(فیضان اسلام کا خصوصی شمارہ اکتوبر تا مارچ ۲۰۱۸ء ص ۳۳۰)

ہمارے حضرت شیخؒ نے جو طرز اختیار فرمایا تھا ہمارے فقہاء نے بھی ایسی رعایت کو افضل قرار دیا ہے مثلاً امام احمد ابن حنبلؒ کے یہاں اونٹ کا گوشت کھانا ناقض وضو ہے، اور امام شافعیؒ کے یہاں مس مرأة ناقض وضو ہے، اور احناف کے یہاں دونوں ناقض وضو نہیں، لیکن فقہائے احناف فرماتے ہیں کہ خروج عن اختلاف العلماء یعنی علماء کے اختلاف سے نکلنے کے لئے اونٹ کا گوشت کھانے اور مس مرأة کے بعد بھی وضو کرنے کو مستحب قرار دیا ہے۔

فی الدر المختار لا ینقضہ مس ذکر و امرأة لکن یندب للخروج من الخلاف لا سیماللامام لکن بشرط عدم لزوم ارتکاب مکروہ مذہبہ (در مختار شامی ص ۸۷ ج ۱، مالا بدمنہ فارسی ص ۱۶)

یعنی خروج عن اختلاف العلماء میں بھی آپ کا عمل حنفی مسلک کے مطابق

(۲) امام کی تقلید میں غلو سے انحراف

بے شک آپ اپنے اکابر کے نقش قدم پر حنفی مسلک کے پیروکار تھے لیکن اپنے امام کی تقلید میں آپ کو غلو نہ تھا، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کی تحقیق کے مطابق کسی مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا قول مرجوح یا خلاف حدیث ہے تو آپ امام صاحب کے مسلک کے خلاف حدیث کا اتباع فرماتے تھے اور اس میں آپ ہی کی خصوصیت نہیں الحمد للہ ہمارے دیگر اکابر حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا عبدالحی صاحب فرنگیؒ بھی اسی روش پر قائم تھے، جسکی کچھ مثالیں ماقبل میں گزر چکیں، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونسؒ بھی اسی روش پر قائم تھے، لیکن ان کی ان تحقیقات و ترجیحات یا تفردات کے بنا پر آپ کو دائرہ تقلید یا حنفیت سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

”شاہ ولی اللہ اتنے بڑے محقق ہیں کہ بعض لوگوں نے ان کو غیر مقلد سمجھ لیا کہ وہ تقلید نہ کرتے تھے، مگر یہ غلط ہے، وہ مقلد ہی ہیں مگر مقلد محقق ہیں، لکیر کے فقیر نہیں، تقلید و تحقیق کے بھی مراتب ہیں کہ بعض مقلد محض ہیں، بعض محقق محض یعنی مجتہد ہیں، اور بعض مقلد محقق ہیں، تو شاہ صاحب مقلد محض نہ تھے، بلکہ مقلد محقق تھے اس لئے بعض کو ان پر غیر مقلدی کا شبہ ہوا“

(مجموعہ مواظ حقوق الزوجین ص ۵۱۷)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب تو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب

سے بہت بڑے درجہ کے ہیں، حضرت تھانویؒ کے فرمان کے مطابق جب ان کی تحقیقات اور ترجیحات و تفردات کے بنا پر انکو تقلید سے خارج نہیں کیا جاسکتا تو شیخ الحدیث مولانا محمد یونسؒ کو انکی تحقیقات یا تفردات کی بنا پر غیر مقلد کیسے کہا جاسکتا ہے، حضرت تھانویؒ کے مذکورہ بالا ارشاد کے مطابق زائد سے زائد آپ کو مقلد محقق ہی کہا جاسکتا ہے اور بس، واللہ اعلم۔

(۳) میں فقہ میں فقہائے متاخرین کا متبع نہیں ہوں

تیسری بات یہ کہ کہ آپ اپنے امام صاحب کے مقلد تھے، متاخرین احناف کے جزئیات مستخرجہ کے آپ قائل نہ تھے بلکہ اس سلسلے میں آپ کا وہی نقطہ نظر تھا جو علامہ سید سلیمان ندویؒ کا تھا وہ اپنے متعلق فرماتے ہیں:

”میں فقہ میں متاخرین کا متبع نہیں“ (تذکرہ سلیمان ص ۱۰۳)

ہمارے حضرت شیخ بھی فقہائے متاخرین کے بہت سے جزئیات مستخرجہ پر مطمئن نہ ہوتے تھے بلکہ بسا اوقات ان پر نقد بھی فرماتے تھے، احقر نے درمختار اور رسم المفتی حضرت شیخ سے پڑھی ہے درمختار میں بکثرت فقہائے متاخرین کے ایسے جزئیات منقول ہیں جن کی کوئی سند اور پختہ دلیل نہیں اس لئے حضرت ایسی باتوں کو تسلیم نہیں کرتے تھے بلکہ تدریس کے وقت ایسے جزئیات پر آپ نقد فرماتے تھے، مثلاً درمختار میں لکھا ہے:

”مسواک دھو کر رکھے ورنہ شیطان مسواک کرتا ہے، اور مسواک ایک بالشت سے

بڑی نہ ہونی چاہئے ورنہ اس پر شیطان سوار ہوتا ہے، مسواک کو لٹا کر نہ رکھے بلکہ کھڑا رکھے ورنہ جنون پیدا ہو جائے گا، مسواک کو چوسے نہیں ورنہ اندھا ہو جائیگا“

فی الدر المختار ولا یمضہ فانہ یورث العمی ثم یغسلہ و إلا فیستاک الشیطان ، ولا یزاد علی الشبر و إلا فالشیطان یرکب علیہ ، ولا یضعہ بل ینصبہ و إلا فخطر الجنون (در مختار شامی ص ۸۵ ج ۱)

الغرض حضرت شیخ فقہاء کی اس طرح کی باتوں کو قبول نہیں فرماتے بلکہ ان پر نقد فرماتے تھے کہ یہ سب باتیں بے دلیل ہیں، اور بعض لوگوں نے ایسی باتوں کے جو دلائل لکھے ہیں حضرت ان کو ناکافی سمجھتے تھے۔

حضرت کے ملفوظات میں ہے:

”متأخرین کی تخریجات ہمارے یہاں غیر معتبر ہیں، میں تو ان کتابوں پر زیادہ نظر نہیں کرتا، بلکہ سیدھے مبسوط سرخسی دیکھتا ہوں، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے یہاں بھی متأخرین فقہاء کی تخریجات حجت نہیں تھیں، یہ مطلب بھی نہیں کہ ان کی ساری تخریجات غلط ہوں، بعض مقامات میں چوک ہو گئی ہے“

(علمی و اصلاحی ارشادات: حضرت مولانا محمد یونس صاحب، مرتبہ محمد زید مظاہری ندوی)

(۴) ضرورت کے وقت دوسرے ائمہ کی تقلید

چوتھی بات یہ کہ خفی المسلک ہونے کے باوجود ضرورت اور اعذار کے وقت آپ دوسرے ائمہ کی بھی تقلید فرمالیا کرتے تھے، مثلاً عشا کی نماز آپ ہمیشہ خفی

مسک کے مطابق باجماعت پڑھتے تھے لیکن اخیر عمر میں مختلف اعذار کی وجہ سے شفق اول میں پڑھنے لگے تھے کہ خود احناف کا بھی ایک قول اس کے مطابق ہے، اسی طرح حالت سفر میں آسانی کے لئے آپ جمع بین الصلاتین بھی کیا کرتے تھے، جس کی اجازت خود فقہائے احناف نے بھی ضرورت کے وقت دی ہے، چنانچہ طحاوی علی مرقی الفلاح، شامی قبیل باب الاذان وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے،

فی الدر المختار ولا جمع بین فرضین فی وقت بعدد سفر ومطر
خلاف للشافعی، ولا بأس بالتقلید عند الضرورة كما فی البحر والنهر۔

(در مختار مع شامی قبیل باب الاذان ص ۳۶ ج ۲، طحاوی علی مرقی الفلاح: ص ۱۰۳، اعلا السنن: ص ۱۰۰ ج ۲)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ جمع بین الصلاتین کے تعلق سے اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

”البتہ ضرورت شدیدہ میں تقلید الشافعی جمع کر لینا مع شرائط مقررہ مذہب شافعی جائز ہے۔ ولا بأس بالتقلید عند الضرورة، در مختار فی بحث الجمع واللہ اعلم“ (امداد الفتاوی: ۸۳، ج: ۵)

الغرض ضرورت کے وقت آپ دوسرے مسلک پر بھی عمل کر لیا کرتے تھے، فقہائے احناف نے اور ہمارے اکابر نے بھی اس کی اجازت دی ہے۔ واللہ اعلم۔

(۵) میں حنفی المسلمک ہوں لیکن مقلد جامد نہیں

اپنے متعلق حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے، خود احقر کے سامنے بھی ایک مرتبہ فرمایا:

”میں بھی حنفی ہوں لیکن تم لوگوں کی طرح مقلد جامد نہیں ہوں“

نیز متعدد مرتبہ آپ نے درس بخاری میں دارالحدیث میں تمام طلبہ کے سامنے اس حقیقت کا اظہار فرمایا کہ میں حنفی المسلک ہوں، چنانچہ ایک موقع پر ایک بحث کے ضمن میں ارشاد فرماتے ہیں:

”یہ ایک مسلم حقیقت ہے اور میں انصاف کے ساتھ کہتا ہوں اگرچہ میں حنفی المسلک ہوں الخ“ (الفیض الجاری فی دروس البخاری آخری جلد ص ۳۲۱ مطبوعہ گجرات)

حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کا پودروی دامت برکاتہم جو ماشاء اللہ ابھی بقید حیات ہیں انہوں نے احقر کے سامنے بیان فرمایا کہ:

”میں حرم پاک میں موجود تھا شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب تشریف لائے میں کھڑا ہو گیا اور مصافحہ کیا دوران گفتگو حضرت شیخ نے فرمایا کہ:

”میں حنفیوں سے تو ایک ہاتھ سے مصافحہ کرتا ہوں لیکن اہل حدیث کے سامنے کٹر حنفی بن کر ان سے دو ہاتھ سے مصافحہ کرتا ہوں“

آگے حضرت مولانا عبد اللہ صاحب دامت برکاتہم نے یہ بھی فرمایا کہ: اس بات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب کے بعض تفردات کی وجہ سے لوگ انکو سلفی اور غیر مقلد سمجھنے لگے ہیں، اس لئے اس کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ (الحمد للہ اس رسالہ سے یہ ضرورت پوری ہو رہی ہے)

عمدة القاری کے مقابلہ میں فتح الباری کی ترجیح

بعض موقعوں میں آپ نے علماء احناف کی لکھی ہوئی شروح حدیث کے مقابلے میں دوسرے شراح کو ترجیح دی اور فوقیت بیان فرمائی، مثلاً شروح بخاری میں علامہ عینی حنفی کی

عمدۃ القاری کی طرف آپ زیادہ اعتنا نہیں فرماتے تھے، اکثر فتح الباری اور حافظ ابن حجرؒ کے ہی گن گاتے تھے، اس سے بھی لوگوں کو شبہات ہونے لگے، لیکن واضح رہے کہ یہ چیز خالص علمی و ذوقی ہے، حضرت شیخؒ کا ذوق یہ تھا جس کا وہ اظہار فرماتے تھے، دوسرے محققین کا ذوق اس سے مختلف تھا، مثلاً فخر ندوۃ حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ تحریر فرماتے ہیں:

”ابن ہمام کی کتابیں اور ابن الترمذی علی البیہقی بھی دیکھیے، فتح الباری اور عینی میں غور کیجیے، ابن حجر میں بے شبہ وسعت ہے، مگر عمق نہیں، عینی میں عمق ہے۔“

(مکاتیب سید سلیمان/۲۲۹)

علامہ سید سلیمان ندویؒ کے ذوق کے مطابق علامہ عینی کی عمدۃ القاری فتح الباری کے مقابلے میں فائق ہے، یہ اپنے اپنے علمی ذوق و مناسبت کی بات ہے۔ واللہ اعلم۔
الغرض احقر کی ناقص رائے اور فہم کے مطابق حضرت شیخؒ اپنے اکابر کے مسلک پر تھے اور اصلاً امام ابو حنیفہؒ ہی کے مقلد تھے، اور بعض مسائل میں دلائل کی بنیاد پر حنفی مسلک سے اختلاف بھی فرمایا کرتے تھے۔ واللہ اعلم

ایک بڑی غلط فہمی کا ازالہ

بہت سے اصحاب علم اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ ابتدائی دور میں تو بے شک مقلد اور حنفی تھے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اخیر عمر میں آپ نہ مقلد رہے نہ حنفی، بلکہ سلفی اور اہل حدیث ہو گئے تھے، اور ان کو مقلد اور یا حنفی کہنے والے جتنے بھی دلائل و شواہد اور جتنے آثار و قرائن یا مؤیدات پیش کرتے ہیں سب شروع کے دور کے ہیں ورنہ عمر کے آخری سال میں آپ کے اندر تبدیلی

آچکی تھی اور تقلید یا حنفیت سے بیزار ہو کر آپ اہل حدیث ہو گئے تھے، بعض اصحاب درس بڑی قوت سے اس کا اظہار کرتے ہیں جس کو سن کر بہت سے حضرات شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں، جس کا نقصان لوگوں کو یہ بھی پہنچ سکتا ہے کہ حضرت شیخ سے بدگمانی میں مبتلا ہو کر حضرت کے علمی افادات درس بخاری وغیرہ سے جس عقیدت و انشراح کے ساتھ فائدہ اٹھانا چاہئے نہیں اٹھا سکتے کیونکہ یہ سارے خیالات اسمیں رکاوٹ بن سکتے ہیں، اس لئے اس غلط فہمی کا ازالہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔

کتنی واضح بات ہے کہ جب حضرت شیخ نے دلائل کی روشنی میں خود یہ اصول بیان فرمادیا کہ کسی شخص کے عقیدے و مسلک اور مشرب کو معلوم کرنے کے دو طریقے ہیں ایک اسکی تحریرات دوسرے اسکے تلامذہ (جسکی تفصیل ماقبل میں گزر چکی) حضرت کی تحریرات کو سامنے رکھتے ہوئے ماقبل میں ایک درجن سے زائد مثالیں پیش گئی ہیں ان کی روشنی میں ہر شخص باسانی یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ ان متنازع فیہا مسائل میں حضرت شیخ نے حنفی مسلک کی پوری قوت سے تائید اور وکالت فرمائی ہے یا کسی اور دوسرے مسلک کی؟ اور ان سب کے متعلق یہ کہنا کہ یہ سب حضرت کی ابتدائی دور کی باتیں ہیں، بعد میں آپ کے اندر تبدیلی آگئی تھی یہ دعویٰ بے دلیل اور بالکل باطل ہے، کیونکہ حضرت شیخ کی حنفی مسلک کے مطابق یہ تحقیقات و ترجیحات اگرچہ ابتدائی دور کی لکھی ہوئی ہیں لیکن ان سب پر نظر ثانی و ثالث اور مزید غور و خوض اور تحقیق و تدقیق سب اخیر عمر میں ہوا ہے، چنانچہ آپ کے مکاتیب علمیہ، الیواقیت الغالیہ کی متعدد جلدیں، نوادر الحدیث، نوادر الفقہ جو آپ کے اخیر عمر میں طبع ہوئی ہیں اور طباعت سے قبل آپ نے ان پر پوری تحقیق و تدقیق کے ساتھ نظر فرما کر اسکی تصویب فرمائی اور آپ ہی کی نگرانی میں ان کی اشاعت ہوئی، ان کے متعلق کسی

قسم کا شک و شبہ کرنا اور لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات ڈالنا کہ یہ حنفی مسلک کی تائید ابتدائی دور کی ہیں بعد میں آپ ایسے نہ رہے تھے سو فیصد غلط اور حضرت شیخ پر اتہام والزام ہیں، اسلئے ہم پورے یقین و انشراح کے ساتھ کہتے ہیں کہ حنفی مسلک کی تائید میں آپ نے جو کچھ بھی تحریر فرمایا اس پر آپ پورے طور پر منشرح اور مطمئن تھے اور اخیر عمر میں ان کتابوں کے طبع ہو جانے کے بعد بھی یہ تحریرات آپ کی نظر سے بار بار گزریں لیکن آپ نے اپنی اس نوع کی کسی تحقیق و تحریر سے رجوع نہیں فرمایا حالانکہ اس وقت رجوع کرنا یا اس میں ترمیم کرنا بہت ممکن تھا، اس لئے تمام منتسبین اور تلامذہ سے گزارش ہے کہ اس نوع کی مختلف قسم کی باتوں کو سن کر خواہ وہ اصحاب علم ہی کی طرف سے کیوں نہ کہی گئی ہوں، ان کی وجہ سے خواخواہ کے شکوک و شبہات میں مبتلا نہ ہو اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

چند ضروری تنبیہات

(۱) کسی فقیہ و محدث اور بزرگ کی بات بھی

بغیر شرعی دلیل کے قابل قبول نہیں

بڑے سے بڑا فقیہ وقت، محدث کبیر بھی اگر کوئی بات شرعی دلیل کے بغیر محض اپنے طبعی ذوق کی بنا پر کہے تو اس کا وہ درجہ ہر گز نہیں ہو سکتا، جو ان باتوں کا ہوا کرتا ہے جو دلائل کی روشنی میں بیان کی جائیں، بڑی غلط فہمی لوگوں کو ایسے موقعوں میں یہ ہو جاتی ہے کہ کسی محقق بزرگ نے کوئی بات اپنے ذاتی رجحان اور طبعی ذوق سے فرمادی اس کو بھی ان کے معتقدین و متوسلین شرعی دلیل کا درجہ دینے لگتے ہیں، یہ صحیح نہیں، کسی بزرگ اور محقق کی بات جب کہ وہ شرعی دلائل کے دائرے میں نہ ہو اس کا وزن اور اس کا درجہ ہر گز نہیں ہو

سکتا جو مدلل باتوں کا ہوتا ہے، اس لئے اس حقیقت کو مد نظر رکھنا ہر وقت ضروری ہے کہ کسی محقق و محدث اور کسی بزرگ و شیخ نے جو بات فرمائی ہے وہ طبعی ذوق کی بنا پر ہے یا شرعی دلائل کی بنا پر، اسی اعتبار سے اس کا درجہ متعین کیا جائے گا، ان کی ہر بات کو پختہ اور مضبوط نہ سمجھا جائے گا، بلکہ غیر مدلل باتوں کو غیر مدلل ہی سمجھا جائے گا، اور نہ ہی ان کے طبعی ذوق کو شرعی دلیل کا درجہ دیا جائے گا۔

اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ ایک مرتبہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب رمضان المبارک میں رات کے وقت بعد تراویح خصوصی مجلس میں حضرت مولانا کفایت اللہ صاحبؒ کے سامنے فرما رہے تھے کہ:

”اگر لوگ سو رہے ہوں یا سونے کا وقت ہو اس وقت بھی ذکر جہری کرنے میں کیا حرج ہے، ذکر سے تو قلبی اطمینان حاصل ہوتا ہے، ذکر سننے سے تو اور نیند آتی ہے، میرے قریب کوئی ذکر کرتا ہے تو جلدی نیند آ جاتی ہے۔“

حضرت نے یہ بات مولانا کفایت اللہ صاحب کے سامنے بیان فرمائی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ حضرت کی محض ذوقی اور طبعی چیز ہے، اس کو شرعی دلیل اور شرعی مسئلہ کے طور پر بیان نہیں کیا جاسکتا، شرعی مسئلہ تو وہ ہے جس کو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بیان فرمایا ہے کہ لوگوں کے سونے کے وقت جہر اُذکر کرنا، تلاوت کرنا، دعا کرنا سب ممنوع ہے، جو کرنا ہوا ہستہ کرے، جس سے لوگوں کی نیند خراب نہ ہو، چنانچہ مجلس ختم ہونے کے بعد حضرت اقدس شیخؒ کے جگری دوست مولانا کفایت اللہ صاحب نے اسی وقت احقر راقم الحروف سے فرمایا کہ:

”مولوی زید! شیخ کی اس بات کا اثر نہ لینا، یہ بات صحیح نہیں ہے، صحیح وہی ہے جس کو حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے ارشاد فرمایا ہے۔“

کسی فقیہ اور محدث کے بھی تفردات کا اعتبار نہیں

(۲) اسی طرح ایک اہم بات قابلِ لحاظ یہ بھی ہے کہ بڑے سے بڑے کسی فقیہ و محدث کے جو تفردات ہوتے ہیں، ان کی ہزار حرمت و عظمت کے باوجود آنکھ بند کر کے قبول نہیں کیے جاسکتے، بلکہ بہت سے اکابر محققین کے تفردات کو بھی نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن الہمامؒ کے بہت سے مسائل میں تفردات معروف و مشہور ہیں، لیکن شیخ ابن ہمامؒ ہی کے شاگرد قاسم بن قطلوبغا، علامہ حلبیؒ نے اپنے شیخ کے تفردات قبول کرنے سے انکار فرمادیا، بلکہ بہت سے موقعوں میں اس کا رد بھی لکھا۔ چنانچہ علامہ شامیؒ نقل فرماتے ہیں:

”قال العلامة قاسم فی حق شیخہ خاتمة المحققین الکمال ابن الہمام

لا یعمل بابحاث شیخنا الی تخالف المذہب. (رسم المفتی ص ۶۸، مطبوعہ سہارنپور)

خصوصاً اگر مستفتی اور مسائل کسی امام کا مقلد اور متبع ہو، اس کے سوال کے جواب میں اس کے مسلک کے مطابق جواب نہ دے کر اپنی تحقیق کے مطابق جواب دینا یا فتویٰ دینا جائز نہیں، بلکہ اگر کبھی ایسی ضرورت پیش بھی آجائے، تو صاف طور پر اس کی وضاحت کرنا ضروری ہے، مثلاً یہ کہ حنفی مسلک تو یہ ہے، لیکن میری رائے اس سلسلہ میں یہ ہے، کما صرح بہ الفقہاء اس کے خلاف کرنا جائز نہیں، کیوں کہ مسائل و مستفتی حنفی مسلک کا پابند ہے، اور وہ اسی مسلک کے مطابق سوال کا جواب طلب کرتا ہے، اس لئے مفتی پر لازم ہے کہ اس مسلک کے مطابق ہی اس کا جواب دے جس مسلک کا وہ پابند ہے، دیانت داری کا تقاضہ یہی ہے۔

حضرت شیخؒ کے علمی تبرکات

درس بخاری اور علمی مکتوبات و ملفوظات

تصنیف و تالیف اللہ کی بڑی نعمت ہے اس کو اس امت کی خصوصیات میں شمار کیا گیا ہے، ہمارے تمام اکابر علماء و مشائخ نے ہمیشہ اس کا بہت اہتمام کیا ہے، کیوں کہ اس کا نفع متعدی اور باقی رہنے والا ہوتا ہے، صدقہ جاریہ کی اس کو بہترین قسم قرار دیا گیا ہے، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور دوسرے حضرات نے بھی تحریر فرمایا ہے کہ ائمہ مجتہدین حضرت امام ابوحنیفہؒ وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے جتنے مسائل میں اجتہاد و استنباط کیا، نماز، روزہ اور دیگر عبادات و معاملات کے جتنے مسائل مستنبط کر کے بیان کئے اور ان کے شاگردوں کے ذریعہ تصنیف و تالیف کے واسطہ سے امت تک پہنچے اور سارے عالم کے مختلف خطوں میں لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں اس کے مطابق جتنے لوگ بھی عمل کر رہے ہیں، ان لاکھوں کروڑوں کی نیکیوں، عبادتوں، ان کے رکوع و سجود کا ثواب روزانہ ان ائمہ مجتہدین کو پہنچتا ہوگا، جنہوں نے اجتہاد کر کے احکام شرعیہ امت کے سامنے بیان کیے، اسی طرح ان اجتہادی مسائل کے مبلغین و مؤلفین کو بھی پہنچتا ہوگا، جنہوں نے تدریس و تصنیف کے ذریعہ امت تک وہ احکام پہنچائے، صدقہ جاریہ کا یہ ایسا مفید سلسلہ ہے کہ بڑے بڑے فقہاء و محدثین اور کبار اولیاء و مشائخ اس کی تمنا کرتے تھے کہ ان کو بھی تصنیف و تالیف کی سعادت نصیب ہو جائے، جو ان کے لئے صدقہ جاریہ کا باعث ہو۔

(۱) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ کا شروع ہی سے مزاج علمی و

تحقیقی اور تصنیفی رہا ہے، آپ کے پاس مختلف موضوعات سے متعلق علمی سوالات آتے تھے، آپ ان کے تحقیقی جوابات اتنی تفصیل سے تحریر فرمایا کرتے تھے جو مستقل تصانیف و رسائل کا درجہ رکھتے ہیں، مثلاً نصف شعبان کے روزہ اور شب براءت کے متعلق آپ سے سوال کیا گیا، آپ نے اس کا جواب تحریر فرمایا وہ بڑے سائز کے ۲۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ (ملاحظہ ہوں اور الحدیث ص ۲۱۵ تا ۲۶۰، مرتبہ راقم الحروف)

اسی طرح حضرت کے بکثرت مضامین و مقالات ہیں، جو مستقل تصنیف اور رسائل کا درجہ رکھتے ہیں، احقر نے ارادہ کیا ہے کہ حضرت اقدس کے اس طرح کے تمام علمی مقالات جو رسائل کا درجہ رکھتے ہیں ان کو مستقلاً ”مجموعہ رسائل شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب“ کے نام سے شائع کر دیا جائے، قارئین سے دعا کی درخواست ہے۔

اسی طرح حضرت نے حدیث و فقہ کی متعدد کتابوں اور ان کے مصنفین کے احوال کے متعلق مختلف مضامین و مقالات لکھے تھے، مثلاً مقدمہ ہدایہ، مقدمۃ المشکوٰۃ، مقدمۃ البخاری، مقدمۃ ابوداؤد، نسائی شریف، مسلم شریف وغیرہ نیز کبار مصنفین کے احوال بھی تحریر فرمائے اور کتاب کی خصوصیات اور مباحث پر بھی روشنی ڈالی۔

(۲) اسی طرح دورانِ درس بخاری کوئی علمی بحث آگیا تو آپ اپنی عادت کے موافق سرسری طور پر نہ گزر جاتے، بلکہ اس کے تمام متعلقات کو جمع فرما کر تحقیق فرما کر پوری بحث فرماتے، اور اس سلسلہ میں جو آپ کے مطالعہ کا نتیجہ اور ثمرہ ہوتا اس پوری بحث کو آپ قلم بند فرما لیتے، چنانچہ مختلف مباحث سے متعلق متعدد اجزاء و رسائل تیار ہو گئے تھے، مثلاً جزء فاتحہ خلف الامام، جزء رفع الیدین وغیرہ۔ اگر ان اجزاء کو بھی علیحدہ یا یکجا شائع کر دیا جائے، تو اہل علم کے لئے بڑی مفید اور کام کی چیز ہوگی۔

(۳) حضرت شیخؒ نے اپنے بعض اکابر و مشائخ اور اساتذہ کے احوال بھی تحریر فرمائے ہیں، مثلاً شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب، حضرت مولانا امیر حسن صاحب وغیرہ۔ ان میں احقر کو جو دستیاب ہو سکے اپنی ترتیب دی ہوئی کتاب ”نوادیر الحدیث“ میں ان کو بھی شامل کر لیا ہے، اکابر کے حالات پر مشتمل یہ مجموعہ علیحدہ رسالہ کی شکل میں شائع کیا جاسکتا ہے، جس سے اس کی افادیت بھی بڑھ سکتی ہے۔

تعلیقات بخاری و مسلم

حضرت شیخؒ کے مآثرِ علمیہ میں غالباً سب سے زیادہ وقیع اور قیمتی چیز آپ کی وہ تعلیقات اور حواشی ہیں جو بر سہا برس کے مطالعہ اور تحقیق کے بعد آپ اپنی بخاری شریف جو آپ کے زیر مطالعہ رہتی تھی، اس کے حاشیہ یا بین السطور میں تحریر فرمایا کرتے تھے، اور ہر سال دورانِ مطالعہ اس میں اضافہ ہوتا رہتا تھا، بالآخر کتاب کے حاشیہ میں جگہ نہ رہی تو اپنی کتاب کو اس طرح مجلد کروا کر کتاب کے ہر صفحے کے بعد ایک سادہ صفحہ بھی لگایا، جس پر حاشیہ لکھنا آسان ہو، جب کہ بہت سے اضافات علیحدہ کاغذ اور پرچیوں میں بھی لکھے ہوئے تھے، ان تعلیقات و حواشی میں ایسے فنی مباحث اور علمی تحقیقات ہیں کہ ہزاروں صفحات کی ورق گردانی کے بعد بھی ان تک رسائی مشکل سے ہو سکتی ہے۔ یوں کہنا چاہیے کہ آپ کی زندگی بھر کے مطالعے اور تحقیقات کا نچوڑ ہیں، اس میں مذاہب کی تنفیج اور دلائل کی روشنی میں کسی ایک مسلک کی ترجیح بھی ہے، نیز احادیث کی تشریح اور دیگر شراح حدیث پر نقد و تبصرہ بھی ہے، لیکن نہایت اختصار اور ادب کے ساتھ، اور ہر بات نہایت محقق و مدلل حوالہ کے ساتھ۔

ان حواشی کی اہمیت و خصوصیت کی بنا پر حضرت اقدسؒ خود بھی اس کے خواہش مند تھے کہ یہ حواشی بخاری شریف کے ہر باب اور اس سے متعلق ہر حدیث کے تحت مرتب ہو جائیں، چنانچہ کئی سالوں سے آپ اس کی ترتیب و تسوید میں لگے ہوئے تھے، دورانِ ترتیب کسی بحث کے ضمن میں کوئی ایسا گوشہ آجاتا جس میں مزید تحقیق کی ضرورت پیش آتی، اس کے لئے آپ دسیوں کتابوں کو کھنگالتے، معمولی حذف و اضافہ یا حوالہ کی تحقیق کے لئے بھی دسیوں کتابوں کو پھر سے دیکھتے، اس طرح پوری تحقیق کے ساتھ تعلیقاتِ بخاری پر کام جاری تھا، اور ساتھ ہی ساتھ کمپوزنگ کا سلسلہ بھی جاری تھا، حضرتؒ کے نزدیک اس کام کی اتنی اہمیت تھی کہ اس کی وجہ سے بسا اوقات دوسرے معمولات میں بھی اختصار فرما دیا کرتے تھے، الحمد للہ بخاری شریف جلد اول کی کتاب الایمان، کتاب العلم، کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصیام، کتاب الحج تک یہ کام جس ترتیب سے حضرت چاہتے تھے پورا ہو گیا، حضرت فرمایا کرتے تھے اس کام کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگی ہے جتنی مہلت مل جائے، چنانچہ زندگی کے آخری ایام تک آپ اسی کام میں لگے رہے، اور اب اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اس کام کی تکمیل کی سعادت حضرت کے تلامذہ کو حاصل ہو، کام کرنے کے لئے حضرت کے کام کے نہج اور ترتیب کو سمجھنے کے لئے نمونہ بہت کافی موجود ہے۔

الحمد للہ حضرت کے لائق تلامذہ بڑی تعداد میں ملک و بیرون ملک میں پھیلے ہوئے ہیں، خود مظاہر علوم سہارنپور میں حضرت کے ایسے تلامذہ ہیں، جو اس کام کو انجام دے سکتے ہیں، لیکن یہ ایسی بڑی سعادت ہے جو اللہ کے فضل اور اس کی مشیت کے بغیر کسی کو حاصل ہو نہیں سکتی۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ الحمد للہ حضرت کے لائق اور مختار تلامذہ میں

سے جناب مولانا محمد ایوب صاحب سورتی لندنی، حضرت شیخؒ کو جن پر اعتماد بھی تھا، احقر کی معلومات کے مطابق انہوں نے اس کام کا بیڑہ اٹھایا ہے، اس کی پہلی جلد ”النبی اس الساری فی شرح البخاری“ حضرت کی حیات میں طبع ہو کر منظر عام پر آ چکی تھی، جس کو دیکھ کر حضرت کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئی تھیں، الحمد للہ اب اس کی دوسری جلد بھی آ چکی ہے، بلاشبہ جناب مولانا محمد ایوب صاحب سورتی صاحب نہ صرف حضرت شیخؒ کے تلامذہ بلکہ تمام اصحاب علم و اساتذہ حدیث کی طرف سے شکریہ اور دعا کے مستحق ہیں کہ اس خدمت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو قبول فرمایا اور ماشاء اللہ پوری توجہ اور فکر کے ساتھ وہ اس میں لگے ہوئے ہیں، امید ہے کہ اس کی بقیہ جلدیں یعنی پوری بخاری شریف پر حضرت شیخؒ کے لکھے ہوئے حواشی اور تعلیقات مولانا موصوف کی محنت اور کوشش سے منظر عام پر آئیں گی، یقیناً یہ تعلیقات حدیث پاک کا درس دینے والوں خصوصاً بخاری و مسلم پڑھانے والوں کے لئے نہایت قیمتی تحفہ ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کے فیض کو عام و تام فرمائے، اور مولانا موصوف کی عمر میں برکت عطا فرمائیں۔

حضرت شیخؒ کا درس بخاری

حضرت شیخؒ کے باقیات صالحات میں نہایت قیمتی اور مفید چیز آپ کا درس بخاری بھی ہے، تقریباً نصف صدی تک آپ بخاری کا درس دیتے رہے، اس مدت میں آپ کے ہزاروں طلبہ نے آپ کا درس بخاری ضبط کیا، خود احقر کی زمانہ طالب علمی میں احقر کے رفقاء درس میں متعدد لوگوں نے ضبط کیا، اور خود احقر نے بھی ضبط کیا، لیکن درجہ میں حضرت کی تقریر ضبط کرنے پر خواہ کوئی کتنا ہی مشاق کیوں نہ ہو، پوری بات حضرت کے الفاظ میں

ضبط کر لینا مشکل ہوتا ہے، اس لئے قابل اعتماد درس وہی ہوتا ہے، جو ریکارڈ کے بعد ٹیپ رکارڈ وغیرہ کی مدد سے لفظ بلفظ نقل کیا جائے، اور جس میں حضرت کی پوری بات آجائے، حضرت شیخؒ خود بھی چاہتے تھے کہ یہ علمی تحقیقات جو دوران درس آجاتی ہیں، محفوظ ہو جائیں، تو طلبہ کو اس سے فائدہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت بھی جناب مولانا محمد ایوب صاحب (شیخ الحدیث فلاح دارین ترکیسر، گجرات) اور جناب مولانا محمد حنیف صاحب دامت برکاتہم (شیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ عربیہ کھروڈ، گجرات) کو نصیب فرمائی چنانچہ انہوں نے محنتِ شاقہ برداشت کر کے حضرت کی تقریر بخاری کو حضرت ہی کے الفاظ میں تحریر میں لانے اور مرتب کرنے کا پورا اہتمام کیا، الحمد للہ بخاری شریف کے آخری حصہ کی تقریر ”کتاب التوحید“ کے نام سے حضرت کی حیات ہی میں منظر عام پر آچکی ہے، باقی کام تیزی سے جاری ہے، تادم تحریر الحمد للہ اس کی مزید دو جلدیں ”الفیض الجاری فی دروس البخاری“ کے نام سے آچکی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو قبول فرمائے، بلاشبہ تمام اہل علم خصوصاً اساتذہ حدیث کے لئے یہ نہایت قیمتی تحفہ ہے۔

اسی طرح حضرت مولانا محمد حنیف صاحب دامت برکاتہم کا مرتب کردہ درس بخاری جس میں مولانا نے محنتِ شاقہ برداشت کر کے حوالوں کی تخریج و تحقیق اور تعلیق کا کام کر کے اس کو مزید مفید بنادیا، جس کی پہلی جلد الحمد للہ جلد ہی منظر عام پر آ رہی ہے، اور انشاء اللہ اسی ماہ میں ہونے والے عظیم الشان پروگرام میں (جو شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحبؒ کی مناسبت سے منعقد کیا گیا ہے) اس کا رسم اجراء ہوگا، اسی انداز پر انشاء اللہ اس کی آگے بھی جلدیں آئیں گی، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے۔

حضرتؒ کے درس بخاری میں یوں کہنا چاہیے کہ حضرت کے پورے مطالعہ کا حاصل اور آپ کی پوری محنت کا خلاصہ سامنے آ جاتا ہے، کسی بھی فنی، فقہی، کلامی بحث سے متعلق اس کے تمام گوشوں پر نظر رکھنے کے ساتھ دلائل کی روشنی میں تمام مذاہب کے تقابل اور دلائل کے تجزیے کے بعد جو بات حضرت کے نزدیک رائج ہوتی، آپ اس کو پوری دیانت و عدالت کے ساتھ دلائل کی روشنی میں بیان فرما دیتے تھے، حضرت کی پوری تحقیقات کا خلاصہ آپ کا درس بخاری ہے، جس میں کسی مسئلہ سے متعلق کچھ اتنا مواد اور دلائل مل جاتے ہیں، جو کافی بحث کے بعد بھی کسی باحث کو مشکل سے ملیں گے، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے، اور اس کے نفع کو عام و تمام فرمائے اور کام کرنے والوں کو ہم سب کی طرف سے جزاء خیر نصیب فرمائے۔

احقر حضرت شیخؒ سے مختلف اوقات میں درخواست کرتا رہتا تھا کہ حضرت کی تقریر بخاری منظر عام پر آ جائے تو اس سے لوگوں کو بہت فائدہ ہوگا، احقر نے اس سلسلہ میں کچھ کوششیں بھی کیں، مظاہر سے فراغت کے بعد جب احقر ندوة العلماء لکھنؤ میں زیر تعلیم تھا، اس وقت بھی یہ کوشش جاری رہی، ندوة العلماء ہی سے اس سلسلہ میں حضرت کی خدمت میں ایک خط لکھا، حضرت نے اس کا مندرجہ ذیل جواب تحریر فرمایا:

”حضرت مولانا مدظلہ (حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ) سے ملاقات و استفادہ اور ان کی خدمت میں حاضری کی خبر سے بے حد خوشی ہوئی، میں اپنی تقریر کے بارے میں کیا کروں اور کیا کہوں، جو اللہ مقدر کرے گا میسر ہوگا، تمہارے صلاح و فلاح کی دعا کرتا ہوں، میرے لیے تم بھی دعا کرتے رہو، ظاہری و باطنی امراض سے شفا اور فلاح دارین کے لئے، حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ سے بشرط

سہولت سلام مسنون و درخواست دعا ہے۔“

(نوادر الفقہ ص: ۱۸۴ مرتبہ محمد زید مظاہری، ندوی)

حضرت کی اس تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت خود بھی اس بات کو بھی پسند فرماتے تھے کہ طلبہ اور اہل علم کے فائدے کے لئے بخاری کا درس مرتب ہو جائے تو بہتر ہے، لیکن اس وقت اس کی کوئی صورت نہ بن سکی، حضرت کی وفات کے بعد الحمد للہ آپ کی خواہش کے مطابق اب تیزی سے کام جاری ہے۔

حضرت شیخؒ کے مکاتیب علمیہ

حضرت کے جملہ مآثر علمیہ میں اگر سب سے زیادہ قابل اعتماد کوئی چیز ہے، تو وہ آپ کے مکاتیب علمیہ ہیں، جن کے لکھنے کے وقت حضرت کی فکر و توجہ اس درجہ مرکوز رہتی تھی، اور ان کے لکھنے کا اس درجہ اہتمام ہوتا تھا جو دوسرے کاموں میں نہیں ہوتا تھا، اس کا اندازہ اس سے لگانا چاہیے کہ اگر کسی صاحب علم سے اس کے اساتذہ، پیرومرشد یا دیگر مشائخ، کبار علماء، اساتذہ حدیث کسی نوع کا علمی استفسار یا استفادہ کریں، تو اس صاحب علم کو اپنے اساتذہ و مشائخ کو علمی سوالات کا جواب دینے میں کتنی فرحت، قلبی مسرت ہوگی، اور وہ اپنی کتنی بڑی سعادت سمجھتے ہوئے ان سوالات کے جوابات لکھنے کی کوشش کرے گا۔

حضرت شیخؒ کے مکاتیب علمیہ اسی نوعیت کے ہیں، بڑی تعداد میں ایسے سوالات بھی ہیں، جن کو آپ کے اساتذہ و مشائخ نیز دیگر اصحاب علم و فضل نے آپ سے استفسار کیا ہے، مثلاً شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، مبلغ اسلام حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالنپوریؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد

الجبار صاحب، قاضی شہر مولانا مفتی منظور احمد صاحب کانپوری، حضرت مولانا مفتی محمد یحییٰ صاحب (مفتی مظاہر علوم سہارنپور)، حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب الاسعدی، حضرت مولانا ابوالبرکات صاحب وغیر ذلک، یہ کبار علماء بہت سے مسائل اور احادیث کی تحقیق میں حضرت کی طرف رجوع فرمایا کرتے تھے، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب جو آپ کے استاذ بھی ہیں اور شیخ بھی، انہوں نے مدینہ پاک کے قیام کے زمانہ میں مدینہ پاک سے چند علمی سوالات حضرت کے پاس بغرض تحقیق بھیجے، اندازہ لگائیے ان کے جوابات کے لکھنے میں حضرت کو کس قدر اہتمام اور توجہ ہوئی ہوگی۔

احقر کی طالب علمی کا زمانہ تھا، اور الحمد للہ ہر وقت خدمت میں رہنے کی سعادت بھی حاصل تھی، جب اس نوع کے سوالات آتے تھے، احقر نے حضرت کو دیکھا کہ اس کی وجہ سے مفوضہ ذمہ داری یعنی تدریس وغیرہ میں ذرہ برابر کوتاہی نہ ہوتی تھی، حسب معمول سارے اسباق ہوتے رہتے، اور اس کے ساتھ ہی آئے ہوئے سوالات کے جوابات لکھنے کے لئے کتابوں کی ورق گردانی بھی کرتے رہتے۔

حضرت کے جوابات لکھنے کا طریقہ

حضرت کے جوابات لکھنے کا طریقہ یہ تھا کہ آئے ہوئے سوالات سے متعلقہ تمام گوشوں کو سامنے رکھتے، پھر اس سے متعلقہ حدیثوں پر نظر فرماتے اور اس سلسلہ کی جتنی معتبر کتابیں ہوتیں سب کو کھگال ڈالتے، اور جوابات مفید مطلب معلوم ہوتی اس کو علیحدہ کاغذ میں نوٹ کرتے جاتے، کبھی ناقص عبارت مع حوالہ، اور کبھی یادداشت کے لئے صرف حوالہ، اور کبھی پوری عبارت علیحدہ کاغذ میں نقل فرماتے، جو بعد میں ردی ہو جاتے۔

اس مرحلہ سے فارغ ہونے کے بعد پھر آپ ذہن میں خاکہ بناتے ، لکھنے کی ترتیب قائم فرماتے اور ذکر و دعاء کے بعد پھر آپ جواب لکھنا شروع کرتے ، جواب سے فارغ ہونے کے بعد اللہ کا شکر ادا کرتے اور قلبی مسرت کا اظہار فرماتے ، ان سارے جوابات کو بھیجنے سے قبل ان کو نقل کرنے اور محفوظ رکھنے کا پورا اہتمام فرماتے ، یہ خدمت حضرت کے خدام انجام دیتے ، الحمد للہ یہ سعادت راقم الحروف کو بھی حاصل ہوتی رہتی تھی ، اس پوری تفصیل سے اندازہ لگانا چاہئے کہ یہ علمی سوالات اور ان کے جوابات کتنی محنتوں اور کوششوں کے بعد لکھے گئے ہیں ، اور ان میں کتنی علمی تحقیقی باتیں ہوں گی۔

حضرت کے لکھے ہوئے جوابات کی اسی اہمیت کے پیش نظر آپ کی تقریر بخاری کی طرح مکاتیب کے مرتب کرنے اور منظر عام پر لانے کی احقر نے حضرت والا سے بار بار درخواست کی ، لیکن حضرت اقدس غایت درجہ تواضع اور غلبہٴ عبدیت کی وجہ سے اس درخواست کو نظر انداز فرمادیتے تھے ، بعض دیگر اصحابِ علم نے بھی حضرت سے درخواست کی چنانچہ حضرت نے اپنے بعض مکاتیب علمیہ ان کو دیئے اور بعض ماہانہ رسائل میں شائع بھی ہوئے۔

چند سال گزرنے کے بعد حضرت اقدس شیخ نے احقر کو مخاطب کر کے فرمایا اُس وقت اگر تمھاری بات مان لیتا تو اچھا رہتا یہ مکاتیب منظر عام پر آ جاتے ، پھر حضرت اقدس نے اس احقرنا کارہ کو حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو کام کرنے کا سلیقہ دیا ہے ، حضرت تھانویؒ کے ملفوظات و مواعظ کی ترتیب پر تم عرصہ سے کام کر رہے ہو ، یہ میرے لکھے ہوئے علمی سوالات کے جوابات ہیں ان کو بھی اسی طرح سے مرتب کر دو ، اس کے بعد حضرت اقدسؒ نے اپنی تمام وہ کاپیاں جن میں آپ کے لکھے ہوئے ان سوالات کے جوابات تھے جو

آپ نے پچاس سال کے عرصہ میں لکھے تھے، گویا آپ کی پوری زندگی کا سب سے زیادہ محنتی و قیمتی سرمایہ تھا، آپ نے ان کا پیوں کو احقر کے حوالے کر کے اس ناکارہ کو حکم دیا کہ اس کو مرتب کر ڈالو، احقر نے عرض کیا کہ حضرت کا پیوں یہیں محفوظ رہیں ان کی فوٹو کاپی کروا کر میں لئے جاتا ہوں، چنانچہ ضخیم مجلد کا پیوں کی فوٹو کاپی کے لئے حضرت اقدس ہی نے پیسے دیئے اور فوٹو کاپیاں لے کر احقر لکھنؤ آگیا اور کام شروع کر دیا، تدریسی مشغولی کے ساتھ تقریباً دو سال کے عرصہ میں الحمد للہ اس کی ترتیب کا کام بھی مکمل ہو گیا۔

اس کام میں ترتیب کی نوعیت یہ تھی کہ حضرت کے پاس جو سوالات آئے تھے، وہ مختلف موضوعات سے تعلق رکھتے تھے، مثلاً ایک خط میں پانچ سوالات ہیں: ایک کسی حدیث سے متعلق ہے، ایک کسی راوی کی تحقیق سے متعلق، ایک فقہی مسئلہ سے متعلق، سوال کے مطابق اسی ترتیب سے حضرت شیخؒ نے ان کے جوابات بھی تحریر فرمائے تھے، اس میں ترتیب کی ضرورت یہ تھی کہ ہر سوال کے جواب کو اس کے ساتھ کر دیا جائے، اور سوال و جواب جس فن اور جس موضوع سے تعلق رکھتا ہو اس کو اسی فن کے ساتھ ملحق کر کے مرتب کر دیا جائے، چنانچہ احقر نے اصول حدیث، صحاح ستہ سے متعلق جتنے سوالات اور جوابات تھے، ان سب کو احقر نے علیحدہ یکجا اور مرتب کیا، اور مختلف احادیث کی تحقیق سے متعلق جتنے سوالات تھے، ان سب کو چن چن کر حروف تہجی کے مطابق علیحدہ جمع کر دیا، اسی ضمن میں رواد اور اکابر علماء کے احوال جو آپ نے تحریر فرمائے، ان سب کو بھی حروف تہجی کے مطابق یکجا کر دیا، اور اس پورے مجموعہ کا نام ”نوادیر الحدیث“ رکھا۔

اور جو جوابات فقہ یا رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور دعوت و تبلیغ، علم کلام سے تعلق رکھتے تھے، ان کو سنن اور فقہی ترتیب کے مطابق علیحدہ مرتب کیا، جس کا نام ”نوادیر

الفقہ“ رکھا، کام کرنے کی مدت میں حضرت کی خدمت میں حاضری ہوتی رہی، بہت سے مقامات میں حضرت کی تحریر کو سمجھنے اور مراجعت کی ضرورت پیش آئی، حضرت اقدس نے الحمد للہ پوری رہنمائی فرمائی، اس کام کی ترتیب فراغت کے بعد اس کی کتابت اور کمپوزنگ کا مرحلہ آیا، حضرت اقدس ہی نے اس کا صرفہ برداشت کیا اور کمپوزنگ کے لئے رقم دے کر فرمایا جلد اس کی کتابت کراؤ، چنانچہ یہ مرحلہ بھی طے ہونے لگا، جن حضرات کو اس کام سے ذرا بھی سابقہ پڑا ہوگا وہ جانتے ہوں گے کہ کتابت و کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ، نظراول و نظر ثانی، اغلاط کی تصحیح اور سیٹنگ وغیرہ کا مرحلہ کتنا مشکل اور صبر آزما ہوتا ہے۔

احقر کے استاذ حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کتابوں کی ترتیب و تصنیف اور اس کی مشکلات کا تذکرہ کرتے ہوئے بطور لطیفہ کے فرمایا کرتے تھے کہ یہ کام بہت ہی صبر آزما، دقت طلب اور دیر طلب ہے، تصنیفی و تالیفی کام کے لئے عمر تو چاہئے حضرت نوح علیہ السلام والی، خزانہ چاہئے قارون والا، صبر چاہئے حضرت ایوب علیہ السلام والا، بہر حال حضرت کے فرمان کے مطابق اپنی ترتیب سے کام تیزی سے کر رہا تھا، حضرت بھی محسوس فرما رہے تھے کہ یہ ناکارہ پوری توجہ اور فکر مندی سے کام میں لگا ہوا ہے، الحمد للہ اس کی وجہ سے حضرت کی شفقتوں اور دعاؤں کے حاصل ہونے میں اضافہ ہوا، حضرت شیخؒ کا لکھنؤ ہوتے ہوئے باندہ کا سفر تھا، احقر نے اپنے غریب خانے پر تشریف آوری کی درخواست کی جو ابھی تعمیر کے مرحلہ میں تھا، حضرت نے بشاشت سے قبول فرمایا اور پورے سفر میں الحمد للہ حضرت کی شفقتیں و عنایتیں اس کام کی برکت سے خوب خوب حاصل رہیں، حضرت کی بڑی فکر تھی کہ کسی طرح میری زندگی میں جلد از جلد یہ علمی سرمایہ

مرتب ہو کر منظر عام پر آجائے، اس کے لئے حضرت پوری طرح فکر مند اور متوجہ تھے، کبھی لکھنؤ قیام کے زمانے میں فون پر بھی اس سلسلہ میں دیر تک گفتگو ہوتی، جس میں بعض عبارتوں کے متعلق کچھ پوچھنا ہوتا یا کسی عبارت کی مراجعت کرنی ہوتی تو حضرت سارے کاموں کو چھوڑ کر جواب دیتے، حضرت کی خدمت میں کسی نے بہت قیمتی قلم دیا، حضرت نے احقر کو عنایت فرما دیا کہ تم لکھنے کا کام کر رہے ہو اس کو تم رکھو، ان سب باتوں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت اقدس کو اپنی ان علمی تحقیقات اور مکاتیب علمیہ کے منظر عام پر لانے کا کس قدر اہتمام اور انتظار و اشتیاق ہوتا تھا۔

حضرتؒ کی احقر سے ناراضگی اور اس کا ایک سبب

حضرتؒ کی یہ پہلی علمی و تحقیقی کتاب تھی جو منظر عام پر آرہی تھی، اس لئے حضرت غایت درجہ اشتیاق کے ساتھ اس بات کے خواہش مند تھے کہ کتاب جلد از جلد نگاہوں کے سامنے آجائے، کتابت و کمپوزنگ کے سلسلہ کی دشواریوں کا حضرت کو پورا تجربہ نہ تھا، بس یہ پیش نظر تھا کہ جب ترتیب و مراجعت وغیرہ کے کام سے پوری فراغت ہوگئی، کمپوزنگ و کتابت ہوگئی، اتنا عرصہ ہو گیا اب کتاب کے آنے میں تاخیر کیوں ہو رہی ہے، کتاب کی طباعت کے لئے حضرت نے احقر کو رقم بھی عنایت فرمائی تاکہ کتاب جلد طبع ہو کر آجائے، لیکن سب کام پیسوں ہی سے تو نہیں ہوتا، پروف ریڈنگ، نظر اول و ثانی اور اغلاط کی تصحیح و ترتیب وغیرہ کی وجہ سے جو دشواریاں سامنے آتی ہیں اور جس کے لئے تاخیر لازمی ہے حضرت کو اس کا پورا اندازہ نہ تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تاخیر اور دیر حضرت کے تھکدہ را اور انقباض کا باعث بننے لگی، اور اس تاخیر کی وجہ سے حضرت اقدس کی جو شفقتیں و عنایتیں اس ناکارہ کو پہلے حاصل ہوتی تھیں ان سے محرومی ہونے لگی، سارا کام کتابت و

تصحیح کا سہارنپور میں ہی ہو رہا تھا، جس کی وجہ سے سہارنپور بھی کثرت سے حاضری ہوتی رہتی تھی، لیکن اس تاخیر کی وجہ سے حضرت اقدس کو جو تھکدہ رہا اس کی بنا پر نوبت یہاں تک آپہنچی کہ احقر جب سہارنپور حاضر ہوتا ہے تو حضرت توجہ نہیں فرماتے، حاضری بھی بارہو نے لگی۔

حضرت کے بعض مقربین نے احقر سے یہاں تک کہہ دیا کہ آپ تشریف لائیں تو یہاں حضرت کے پاس نہ ٹھہریں کہیں اور قیام کریں تو زیادہ بہتر ہے تاکہ حضرت کو تکلیف نہ ہو، جب کہ کام اب بھی معلق و موقوف نہ تھا، بلکہ اپنی رفتار سے جاری تھا، اندازہ لگائیے کہ جس شخص نے رات دن ایک کر کے چالیس سال میں لکھے ہوئے سوالات و جوابات کو ایک ایک کر کے پڑھ کر اس کو مرتب کیا ہو اور محنت شاقہ برداشت کر کے اس مرحلہ تک کام پہنچ گیا ہو اور اب اس کے شیخ و محسن ہی کی نگاہیں بدل گئی ہوں اور سابقہ شفقتوں اور عنایتوں سے وہ محروم کر دیا گیا ہو اس کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی۔

اسی عرصہ میں حضرت کے بعض معتمد تلامذہ حاضر ہوئے، حضرت نے ان کو اپنی وہی کاپیاں جو سوالات و جوابات پر مشتمل تھیں، ان کو بھی عنایت فرمائیں اور جلد طباعت کا حکم فرمایا، چنانچہ انہوں نے بھی اپنی سعادت سمجھ کر اس کی کوشش کی اور حضرت کے وہ علمی خطوط جس طرح کاپیوں میں درج تھے، بغیر کسی ترمیم و ترتیب کے من و عن شائع کرنے کا پورا اہتمام کیا۔

حضرت کے تھکدہ روانقباض بلکہ ناراضگی کا جو اثر قلب پر طبعی طور سے اس ناکارہ پر پڑنا تھا وہ پڑا، اور شیطان نے طرح طرح کے دل میں وساوس و خیالات ڈالے اور ڈر یہ لگنے لگا کہ خود احقر کے دل میں خدا نخواستہ حضرت شیخ کی طرف سے کسی نوع کی بدگمانی

اور انقباض نہ پیدا ہو جائے جو احقر کے لئے بڑے خسران و حرمان کا باعث ہو، اور یہ ایسے حالات تھے کہ دوسروں سے احقر اس کا اظہار بھی نہیں کر سکتا تھا، لیکن الحمد للہ اس نازک موقع پر اللہ رب العالمین نے اپنے اس بندہ کی رہنمائی فرمائی اور دل کو مضبوط کیا، اور حضرت شیخ کی طرف سے عمدہ تاویل کر کے حضرت کو معذور سمجھا کہ حضرت بھی بالآخر انسان ہی تو ہیں، وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجَولًا، عجلت انسانی فطرت میں داخل ہے، اور پھر دینی امور اور قرآن وحدیث میں جلد بازی تو عین دینی فطرت کے مطابق ہے، رسول اللہ ﷺ میں بھی تو خاص انداز سے یہ وصف پایا جاتا تھا، چنانچہ آپ کو ہدایت کی گئی: لَا تَحْزَنْكَ بِهِ لِسَانُكَ لِتَعْجَلَ بِهِ الْآيَةَ، پھر حضرت کو اس نوع کے مراحل کا عملی تجربہ نہ تھا، اس لئے حضرت کی ناراضگی کو احقر نے عذر پر محمول کیا، لیکن حضرت کی مشفقانہ نگاہیں احقر کی طرف سے پھر چکی تھیں، اس لئے طبیعت پر اس کا غیر معمولی اثر پڑا، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی اور الحمد للہ حضرت کی اس ناراضگی نے احقر کے اندر مزید اخلاص پیدا کر دیا، اور احقر نے یہ طے کر لیا کہ اب جو بھی کام کر رہا ہوں، چوں کہ یہ فن حدیث شریف کی خدمت ہے اور یہ خدمت بڑی سعادت کی بات ہے، اللہ کی رضا کے لئے دین کی خدمت سمجھ کر یہ کام کرنا ہے، شیخ کے لئے اور ان کو راضی اور خوش کرنے کے لئے نہیں، شیخ ناراض ہوں تو ہوا کریں، کام بہر حال اللہ کے لئے کرنا ہے، اس تصور اور خیال نے احقر کے دل کو اور مضبوط کر دیا، اور الحمد للہ کام کرنے سے نہ دل برداشتہ ہوا نہ مایوس اور عاجز، اور شیخ کی ناراضگی کا بھی کام پر کوئی اثر نہ پڑا، بلکہ اس ناراضگی نے کام میں اور اخلاص پیدا کر دیا۔

حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب کا ایک واقعہ

اور یہ بات احقر کو اپنے شیخ حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندویؒ کی صحبت سے حاصل ہوئی، میرے شیخ خود اپنا قصہ بیان فرماتے تھے کہ:

”میرے شیخ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب (خلیفہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ) مجھ سے تین سال تک ناراض رہے ہیں، صرف اس وجہ سے کہ حضرت مجھے بعض ترقیاں دلانا چاہتے تھے، وہ یہ کہ حضرت مجھے مظاہر علوم سہارنپور کی اعلیٰ مدرسے اور حدیث و فقہ کی بڑی کتابوں کے لئے مدرس رکھنا چاہتے تھے، اور میری شادی بھی وہیں کرانا چاہتے تھے، لیکن مجھ کو اپنے علاقے کا حال معلوم تھا کہ پورے علاقے میں جہالت کا غلبہ ہے، لوگ ارتداد کے دہانے پر کھڑے ہیں، بعض لوگ مرتد بھی ہو گئے تھے، میں شیخ الحدیث بن کر کیا کروں گا جب کہ میرے علاقہ میں لوگ مرتد ہو رہے ہوں، میں نے تو علم حاصل ہی کیا اس غرض سے کہ اپنے علاقے کی جہالت و غفلت دور کرنا ہے، اسی لئے مظاہر سے فارغ ہو کر علاقہ ہی میں کام کرنے کا فیصلہ کیا تھا، اس وجہ سے ہم نے اپنے شیخ کی بات نہیں مانی، جس کی وجہ سے حضرت مجھ سے تین سال تک ناراض رہے، اور یہ تین سال میرے بڑی مشقت اور بے چینی کے گزرے ہیں، لیکن الحمد للہ بعد میں جب حضرت کو حالات معلوم ہوئے تو حضرت بہت خوش ہوئے اور بار بار فرمایا کہ صدیق تمہارا اجتہاد صحیح تھا، میرا اجتہاد غلط تھا، اور ایک مرتبہ خوش ہو کر یہاں تک فرمایا کہ کل قیامت کے دن اگر اللہ پوچھے گا کہ کیا لائے ہو؟ تو صدیق کو پیش کر دوں گا کہ اس کو لایا ہوں، یہ پورا واقعہ احقر نے خود حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندویؒ کی زبانی سنا ہے۔

حضرت اقدسؒ کے بیان کردہ اس قصہ سے اس موقع پر الحمد للہ مجھے بڑی رہنمائی اور بہت تقویت ملی، اور دل میں یہ بات اچھی طرح بیٹھ گئی کہ اگر بندہ کا معاملہ اپنے اللہ سے صاف ہو اور شریعت و سنت پر وہ قائم ہو تو پھر کسی شیخ یا استاذ یا باپ کی ناراضگی، بلکہ بددعا سے بھی اس کو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا، نہ دنیا میں نہ آخرت میں، گو وقتی اور طبعی طور پر تکلیف ضرور ہوگی لیکن نتیجہ کے لحاظ سے حالات بعد میں بہتر اور سازگار ہو ہی جاتے ہیں اور تلخیاں و بد مزگیاں بھی سب ختم ہو جاتی ہیں۔

تحدیثِ نعمت

الغرض حضرت شیخؒ کی ناراضگی کے باوجود احقر کام میں اللہ کے واسطے لگا رہا، اور کوشش کی کہ ایک چھوٹا سا رسالہ جلدی تیار کر کے حضرت کی خدمت میں پیش کر دوں، چنانچہ مبادی حدیث اور صحاح ستہ سے متعلق مفید معلومات پر مشتمل مختصر رسالہ ۱۶۰ صفحات کا طبع ہو کر منظر عام پر آ گیا، اور اس کے کچھ دنوں کے بعد الحمد للہ نوادر الحدیث اور نوادر الفقہ بھی منظر عام پر آ گئیں، اس وقت تک حضرت کی کوئی بھی کتاب جو حضرت کے افادات اور علمی سوالات و جوابات پر مشتمل ہو، نہیں آ سکی تھی، یہ کتابیں پہلی مرتبہ حضرت کی خدمت میں پیش کی گئیں، اس سے حضرت بہت ہی خوش ہوئے، اب حضرت اپنی ان دونوں کتابوں نوادر الحدیث اور نوادر الفقہ کو دیکھتے ہیں، تو آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں، دل سے خوش ہوتے ہیں، اُلٹے پلٹتے بار بار دیکھتے ہیں، من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ پر عمل کرتے ہوئے اپنے شاگردوں کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تم کو جزائے خیر دے، تم لوگوں نے محنت کر کے اس کو کارآمد بنا دیا،

اس سے انشاء اللہ لوگوں کو فائدہ ہوگا، ورنہ یہ سب ضائع ہو جاتے، دل سے دعائیں دیں، احقر حضرت کے پاس سے اٹھ کر مہمان خانہ آگیا، تھوڑی دیر میں دیکھا کہ پیچھے سے حضرت کے خادم، ایک عمدہ سفید عربی رومال اور نہایت قیمتی عطر بڑے عطر دان میں لے کر آئے اور کہا کہ حضرت نے دیا ہے، دل میں رقت طاری ہو گئی، دل باغ باغ ہو گیا، اللہ کا شکر ادا کیا، ایک عرصہ کے بعد نوادر الحدیث کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع ہوا، وہ بھی حضرت کی خدمت میں پیش کیا، حضرت مزید خوش ہوئے۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک یہ دونوں کتابیں ویب سائٹ (www.alislahonline.com) میں بھی ڈال دی گئی ہیں۔

حضرت شیخؒ کے علمی و اصلاحی ملفوظات

حضرت شیخؒ کے مآثر علمیہ میں سے نہایت اہم اور قیمتی چیز آپ کی علمی مجالس اور ان میں آپ کے فرمائے ہوئے علمی و اصلاحی ارشادات و ملفوظات ہیں، جن کو آپ وقتاً فوقتاً اصحاب علم و درس اور طالبین و مسترشدین کے سامنے بیان فرماتے ہی رہتے تھے۔ اس میں علمی نکتے، اصلاحی باتیں، وعظ و تذکیر بھی ہوتی، بزرگوں اور علماء ربانین کی سبق آموز حکایات و واقعات بھی ہوتے، جب جیسا موقع ہوتا حسب ضرورت آپ کچھ نہ کچھ ارشاد فرماتے ہی رہتے تھے، جس سے طلبہ و علماء، عوام و خواص سب ہی کو بہت فائدہ پہنچتا تھا، بسا اوقات کوئی علمی موضوع زیر بحث آ جاتا تو موضوع سے متعلق محققانہ کلام فرماتے، کبھی اسلاف و محدثین ابن تیمیہ، ابن قیم، امام احمد بن حنبلؒ، امام شافعیؒ، حافظ ابن حجر، علامہ عینی، قسطلانی، ملا علی قاری، شمس الائمہ سرخسیؒ کے تذکرے، ان کے حالات و واقعات اور ان کا علمی رتبہ بیان فرماتے، کبھی اپنے اکابر علماء و مشائخ اور اپنے اساتذہ مثلاً شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ اور اپنے پیرومرشد حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ، اپنے

مشفق استاذ مولانا ضیاء الحسن صاحب اور دوسرے بزرگوں حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندوی وغیرہ کے واقعات اور حالات بیان فرماتے، کبھی تصوف کے نکات اور وعظ و نصیحت کی باتیں بیان فرماتے، کاش اگر ان علمی و اصلاحی باتوں کے جمع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہوتا تو آج امت کے سامنے ایک بڑا علمی و اصلاحی ذخیرہ ہوتا جو عوام و خواص سب کے لئے بہت نافع اور مفید ہوتا، لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا۔ وکان امر اللہ قدراً مقدوراً۔

احقر راقم الحروف کو دورہ حدیث شریف اور افتاء کے سال حضرت اقدسؒ کی خدمت میں رہنے کی سعادت نصیب ہوئی، دورہ کے سال بخاری شریف، مسلم شریف اور افتاء کے سال رسم المفتی اور درمختار پڑھنے کا شرف بھی حاصل ہوا، ان دو سال کے عرصوں میں مجھہ تعالیٰ مختلف اوقات اور مختلف مجلسوں کی حضرتؒ کی علمی و اصلاحی باتوں کے جمع کرنے کا جس قدر ممکن ہو سکا اہتمام کیا، فراغت کے بعد بھی وقتاً فوقتاً حضرت اقدسؒ کی خدمت میں حاضری ہوتی رہتی تھی اور جس قدر ممکن ہو سکا حضرتؒ کی علمی و اصلاحی باتوں کے جمع کرنے کی کوشش کرتا رہا، دورہ حدیث شریف اور افتاء کے سال حضرتؒ کے ارشادات کئی کاپیوں میں جمع کئے، جامعہ عربیہ ہتوراباندہ کے زمانہ تدریس میں کئی مرتبہ احقر نے حضرت والاؒ سے گزارش کی کہ ان جمع کردہ ارشادات و ملفوظات کو ملاحظہ فرمائیں تاکہ ان کو منظر عام پر لایا جاسکے اور لوگوں کو فائدہ ہو، کئی سال تک حضرت والا متواضعانہ کلمات کہہ کر ٹالتے رہے۔

کئی سال بعد ایک مرتبہ احقر کی درخواست کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میرے ملفوظات جو تم نے جمع کئے ہیں، ان کو تم خود ہی غور سے مکرر دیکھ لو، جو باتیں قابل

حذف ہوں، ان کو حذف کر دو، جو باتیں مفید ہوں ان کو باقی رکھو حضرتؒ کے اس ارشاد کے بعد احقر کو اطمینان ہو گیا اور اس بات سے خوشی بھی ہوئی، اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ حضرت اقدس شیخؒ نے احقر کے علم و فہم و دیانت پر اعتماد فرمایا۔ فالحمد لله علی ذلک۔

لیکن اس کے بعد سے ایسے دوسرے علمی مشاغل میں انہماک رہا کہ اس کام کی طرف توجہ کرنے کا موقع نہ نکال سکا، اب حضرتؒ کی وفات کے بعد جب کہ حضرتؒ کے علمی و عملی کمالات پر مختلف پہلوؤں سے اصحاب قلم نے حضرت کے احوال تحریر فرما رہے ہیں جن احباب کے علم میں یہ بات تھی کہ احقر کے پاس حضرت شیخ کے ملفوظات کا ذخیرہ بھی ہے، ان حضرات نے احقر سے باصرار خواہش کی کہ ان کو جلد از جلد منظر عام پر لاؤ تاکہ امت کو ان سے استفادہ کا موقع ملے، اس وقت تو احقر حضرتؒ کے علمی و عملی کمالات پر مضمون لکھ رہا ہے، جس کی یہ پہلی قسط ہے، دوسرا حصہ انشاء اللہ حضرتؒ کے عملی کمالات پر مشتمل ہوگا، اس کے بعد ان شاء اللہ جلد ہی حضرتؒ کے علمی و اصلاحی ارشادات و ملفوظات جو احقر نے حضرت کے سامنے جمع کئے تھے ان شاء اللہ ان کو منظر عام پر لانے کی کوشش کروں گا، الحمد للہ ملفوظات کی پہلی قسط جو تقریباً سو صفحات پر مشتمل ہے تیار ہوگئی ہے، جلد ہی انشاء اللہ منظر عام پر آئے گی۔

حضرت مولانا صدیق احمد صاحب کے ملفوظات کی اہمیت

حضرت شیخ کی نگاہوں میں

حضرت اقدس شیخؒ کی حیات میں احقر حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندوئیؒ کے بھی علمی و اصلاحی ملفوظات سے نیز درس قرآن و حدیث اور تقریریں وغیرہ ضبط

کرتا اور لکھتا تھا، حضرت شیخ کو اس کا بھی علم تھا، حضرت کی نگاہ میں مولانا صدیق احمدؒ کے ملفوظات کی بھی بڑی اہمیت تھی، فرماتے تھے کہ وہ جو باتیں فرماتے ہیں پورے اخلاص سے اور دل کی گہرائی سے کہتے ہیں اس میں نور ہوتا ہے، احقر سے فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا صدیق احمد صاحب کے اس طرح کے تمام اصلاحی ملفوظات کو کتابی شکل میں جمع کر کے منظر عام پر لاؤ۔

ایک مرتبہ شہر کانپور میں کسی اسپتال کے افتتاح کے موقع پر جس میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ اور حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندویؒ بھی موجود تھے اور احقر بھی حاضر خدمت تھا، بہت سے رؤساء و اغنیاء اور ڈاکٹر صاحبان کا مجمع تھا، حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندویؒ نے لڑکیوں کو عصری تعلیم اور اس کے بعد ڈاکٹری تعلیم دلانے کے متعلق کوئی مضمون ارشاد فرمایا اور اس کے بعد حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ کے حوالہ سے ارشاد فرمایا کہ:

”ایک صاحب نے حضرت رائپوریؒ سے اپنی بیٹی کی عصری و انگریزی تعلیم کا ذکر کر کے دعاء کی درخواست کی، حضرت رائپوریؒ نے ارشاد فرمایا: جب اتنا پڑھایا ہے تو ان کو ڈاکٹر بھی بنا دو، درمیان میں نہ چھوڑ دو، حضرت رائپوریؒ کے ایک مرید جو قریب میں بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے حضرت رائپوریؒ سے بہت تعجب سے عرض کیا کہ حضرت آپ فرما رہے ہیں کہ لڑکی کو ڈاکٹری پڑھاؤں؟ حضرت رائپوریؒ نے فرمایا: ہاں، میں کہہ رہا ہوں، اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ لیکن ان سے کہہ رہا ہوں تم سے تو نہیں کہہ رہا ہوں کہ تم بھی اپنی بیٹیوں کو ڈاکٹر بناؤ۔“

مطلب یہ کہ جو لوگ اپنی بچیوں کو عصری تعلیم دلاتے اور انگریزی پڑھاتے ہی

ہیں تو ان کو چاہئے کہ صرف انٹر، بی اے ہی تک نہ کرائیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اگر گنجائش دی ہو تو ڈاکٹری کا کورس بھی کرا دیں، امت کو اس کی بھی ضرورت ہے، مسلمانوں کے اپنے ہسپتال بھی ہونے چاہئے، مسلم ڈاکٹر مرد و عورت سب ہونے چاہئے۔

حضرت مولانا صدیق احمد صاحب نے ارشاد فرمایا: بعض ثقہ لوگوں نے مجھے بتایا کہ بعض ہندو تنظیموں نے خفیہ طور پر یہاں تک منصوبے بنائے ہیں کہ ہسپتالوں میں اگر مسلمان عورتیں علاج کے لئے آئیں تو ان کے ساتھ سختی کرو، ایسا انجکشن لگا دو جس سے آئندہ ان کے بچے نہ ہو سکیں، یا ہوں تو معذور اور اپاہج ہوں، مجھ سے بہت معتبر آدمی نے یہ بات بتلائی ہے اس لئے مسلمانوں میں مرد و عورت سب ڈاکٹر ہونے چاہئے، یہ امت کی ضرورت ہے۔

حضرت اقدس مولانا سید صدیق احمد صاحب باندوئیؒ نے مذکورہ بالا ملفوظ لوگوں کے سامنے بیان فرمایا، اس مجلس میں شیخ الحدیث حضرت مولانا یونس صاحبؒ بھی موجود تھے، احقر حضرت کے ساتھ تھا، لیکن مجلس میں بروقت حاضر نہ تھا، اس ارشاد کے بعد حضرت شیخؒ نے فرمایا:

”ارے زید کہاں ہے؟ اس سے کہو: اتنا اہم ملفوظ ہے یہ، اس کو بھی مولانا کے ملفوظات میں لکھ لے۔“

الغرض حضرت شیخؒ کو حضرت اقدس تھانویؒ کے ملفوظات کے بعد حضرت مولانا صدیق احمد باندوئیؒ کے ارشادات کی بڑی قدر تھی، الحمد للہ احقر راقم الحروف نے حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحبؒ کے علمی و اصلاحی ملفوظات نیز درس بخاری، درس قرآن تقریباً پندرہ سال تک بڑے اہتمام سے حضرت اقدسؒ کی زیر نگرانی جمع کئے ہیں، اس

کے کچھ حصے شائع بھی ہو چکے ہیں، کافی ذخیرہ باقی ہے، قارئین کرام سے گزارش ہے کہ دعاء فرمائیں کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ اور حضرت مولانا صدیق احمد صاحبؒ باندوئیؒ دونوں حضرات کے علمی و اصلاحی ارشادات کو مرتب کر کے امت کے سامنے پیش کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

الحمد للہ کام جاری ہے فی الحال یہ ارداہ بھی کیا ہے کہ ہفتہ پندرہ دن میں اپنے اکابر حضرت تھانوی، حضرت شیخ اور مولانا سید صدیق احمد باندوئیؒ وغیرہ کے ارشادات اصلاحی مجلس کے عنوان سے لکھ کر پڑھ کر وائس اپ وغیرہ میں ڈال دیا کروں تاکہ تھوڑے وقت میں زائد سے زائد لوگ آسانی سے فائدہ اٹھا سکیں۔

ختم بخاری شریف کا اہتمام

ہمارے دیار میں اہل علم و اہل مدارس کے عرف میں ختم بخاری شریف کا اطلاق دو موقعوں کے لئے ہوتا ہے، یا یوں کہئے کہ ختم بخاری شریف کے دو مصداق ہیں، ایک تو کسی نازلہ یعنی کسی مصیبت اور ناگہانی آفت یا کسی شخص کی ہلاکت و بربادی (مثلاً پھانسی وغیرہ کا حکم یا وبائی مرض طاعون وغیرہ) کے موقع پر اجتماعی طور پر ختم بخاری کرانا اور پھر سہولت و عافیت اور خلاصی کی دعا کرنا، تجربات سے یہ بات ثابت ہے کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس نازلہ و حادثہ اور پریشانی سے نجات نصیب فرما دیتے ہیں۔

ہمارے اسلاف و محدثین اور اکابر علماء دیوبند و سہارنپور کا بھی معمول رہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی پریشانی اور ناگہانی آفت سے حفاظت اور خلاصی کے لئے ختم بخاری شریف کرانا چاہتا تو اس کی خیر خواہی میں وہ ختم بخاری کر دیتے تھے، جس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ بخاری شریف از اول تا آخر دیکھ کر پوری سند کے ساتھ پڑھ دی جاتی تھی، جس

طرح ناظرہ خواں قرآن شریف دیکھ کر پڑھتا ہے، اور چونکہ پوری بخاری شریف پڑھنا کسی ایک فرد یا چند افراد کے لئے دشوار ہوتا ہے اس لئے دورہ حدیث کے تمام طلبہ مل کر پڑھتے ہیں اور بخاری شریف کے تیس اجزاء کو طلبہ پر تقسیم کر دیا جاتا ہے، ایک ایک جزء کو ایک یا کئی طالب علم مل کر پڑھتے ہیں، اساتذہ حدیث بھی اس میں شریک ہوتے ہیں، پھر اس مقصد کے لئے دعا کی جاتی ہے جس غرض کے لئے ختم بخاری شریف کیا گیا ہے۔

ختم بخاری شریف کا ایک موقع تو یہ ہوا یعنی حوادث اور نوازل و مصائب و آفات کے وقت دفع بلیات کی غرض سے ختم بخاری کرانا۔

ختم بخاری شریف کا دوسرا مصداق

ختم بخاری شریف کا دوسرا مصداق یہ ہے کہ عالمیت کے نصاب میں حدیث پاک کی سب سے بڑی پڑھائی جانے والی کتاب یعنی بخاری شریف کی آخری حدیث کسی بڑے عالم اور شیخ وقت سے ختم کرا کر اس کی جامع نصیحتوں اور ہدایتوں کے بعد دعاء کے ساتھ ختم کرایا جائے، ختم بخاری کا یہ طریقہ بھی ہمارے مدارس میں معروف و مشہور ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب دونوں قسم کے ختم بخاری شریف کرایا کرتے تھے، پہلی قسم کے ختم بخاری کے مواقع کم ہی آتے تھے، البتہ دوسری قسم کے ختم بخاری کے مواقع بکثرت آتے تھے، دونوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

حوادث و مصائب کے وقت

ختم بخاری شریف کرانا کیا بدعت ہے؟

بہت سے اصحاب علم حوادث و مصائب کے لئے ختم بخاری شریف یا ختم خواجگان

وغیرہ کو غیر ماثور ہونے کی وجہ سے بدعت قرار دیتے ہیں، جب کہ ہمارے اکابر علماء دیوبند وسہارنپور کا اس کے مطابق عمل رہا ہے، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ سے اس کے متعلق بعض اصحاب علم نے سوال کیا، حضرت اقدسؒ نے علمی و تحقیقی جواب تحریر فرمایا اور علماء سلف و محدثین کے حوالے سے سنہ وار نقل فرمایا ہے کہ علماء متقدمین کا بھی اس کے مطابق تعامل رہا ہے، اس کو بدعت کہنا درست نہیں، حضرت شیخ تحریر فرماتے ہیں:

”یہ تو معلوم نہیں ہو سکا کہ ختم بخاری شریف کا دستور کب سے چلا، لیکن علماء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت قدیم زمانہ سے یہ طریق جاری ہے، قال القسطلانی (ص: ۲۹) قال الشيخ ابو محمد عبد الله بن أبي جمرۃ قال لی من لقیتم من العارفين من السادة المقر لهم بالفضل: إنَّ صحيح البخاری ما قرئ فی شدّة إلا فرجت ولا ركب به فی مرکب إلا نجت.

عارف بن ابی جمرۃ کی وفات ۵۷۵ھ میں ہوئی اور وہ متقدمین سے نقل کرتے ہیں۔“

اس کے بعد حضرت شیخؒ نے سنہ وار علماء سلف کی عبارتیں نقل فرمائی ہیں جنہوں نے مہمات اور حل مشکلات کے لئے بخاری شریف ختم کرانے اور دعا کرنے کو لکھا ہے، اور اس کی افادیت اور تاثیر بھی تحریر فرمائی ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ کے شاگرد علامہ ابن کثیرؒ کی البدایہ والنہایہ کی عبارت بھی نقل فرمائی ہے، جنہوں نے اس کی افادیت کا تذکرہ کیا ہے۔ (البدایہ والنہایہ ۱۱/ ۲۷)

یہ وجہ ہے کہ اکابر علماء ہند حل مشکلات کے لئے ختم بخاری شریف کو درست اور جائز سمجھتے ہیں، اور اس کو بدعت نہیں کہتے، کیونکہ وہ اس کو دین اور عبادت سمجھ کر نہیں کرتے، بلکہ اس کی حیثیت رقیۃ کی سمجھتے ہیں، یعنی بخاری شریف کی قراءت یا تلاوت من حیث التبعد یعنی عبادت کی حیثیت سے نہیں کی جاتی جس طرح کہ قرآن پاک کی تلاوت بھی عبادت کے طور پر کی جاتی ہے، اور اگر بالفرض بخاری شریف کی قراءت و تلاوت بھی قرآن پاک کی طرح عبادت کی نیت سے کی جانے لگے تو بے شک یہ بھی بدعت ہو جائے گا، یہاں تو اس کی قراءت من حیث العبادۃ نہیں بلکہ من حیث الرقیۃ کی جاتی ہے لہذا یہ بدعت نہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو نوادر الحدیث / ۹۳ تا ۹۶)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں:

”ختم بخاری حصولِ ثواب کے لئے پڑھ کر بھی اس پر نذرانہ نہیں لیا جاتا (یعنی عبادت کے طور پر ثواب کی غرض سے اس کو نہیں پڑھا جاتا) بلکہ شفاء مریض کے لئے یا مقدمہ میں غلبہ حاصل کرنے کے لئے (بطور رقیۃ کے) پڑھا جاتا ہے، اور مقاصد نبوی پر اجرت لینا جائز ہے۔ (مقالات حکمت و مجالات معدلت / ۲۹۴)

بخاری شریف ہی کی تخصیص نہیں بعض علماء محققین نے وبائی امراض طاعون وغیرہ کے موقع پر مصائب کو دور کرنے کے لئے سیرت کی بعض کتابوں کے پڑھنے کو مفید اور مؤثر ہونا اپنے تجربے سے لکھا ہے، مثلاً قاضی عیاض کی کتاب ”شفاء“ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی ”نشر الطیب فی ذکر النبی الحبيب“ جیسا کہ اس کے مقدمے میں خود حضرت تھانویؒ نے تحریر فرمایا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے بلاؤں اور مصیبتوں کو دور کرنے اور دشمنوں سے حفاظت کے لئے علماء و مشائخ کے چند مجربات لکھے ہیں اس میں تحریر فرماتے ہیں:

چہارم: کتاب ”حصن حصین“ مصنفہ امام جزری ختم کر کے دعاء مانگنا۔

پنجم: صحیح بخاری ختم کر کے دعاء مانگنا۔

ششم: اسمائے بدر بین پڑھ کر دعاء مانگنا۔

ہفتم: حزب البحر روزانہ پڑھنا۔“

(نجات المسلمین مصنفہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ص ۴۸)

خلاصہ یہ کہ اس نوع کا ختم بخاری شریف (یعنی بخاری شریف کی حدیثوں کو پڑھنا) اگر تعبد کی نیت سے قرآن پاک کی تلاوت کی طرح ہو تو چونکہ اس طرح حدیثوں کی تلاوت کرنا ثابت نہیں ہے، اس لئے اس کے بدعت ہونے میں تو واقعی کوئی شبہ نہیں، لیکن بطور رقیہ اور مجرب عمل کے طور پر حل مشکلات و دفع مصائب کے لئے اس کو پڑھا جائے تو اس کو بدعت نہیں کہا جاسکتا۔

یہ ایک ایسی واضح حقیقت ہے کہ حضرات علماء غیر مقلدین نے بھی اس کو قبول و تسلیم کیا ہے، چنانچہ علامہ مبارک پوریؒ نے شفاء امراض اور دفع مصائب اور حصول مقاصد کے لئے مروج طریقہ کے مطابق ختم بخاری شریف کو جائز قرار دیا ہے اور جواز کی دلیل یہی بیان کی ہے کہ یہ بطور رقیہ کے ہے، اور رقیہ کے جواز ہونے کے لئے اس کے ماثور ہونے یا کتاب و سنت سے ثبوت کی ضرورت نہیں، چنانچہ علامہ مبارک پوریؒ ”تحفة الاحوذی“ کے مقدمے میں تحریر فرماتے ہیں:

”قد أجاز كثير من أهل العلم في هذا الزمان قراءة صحيح البخاري“

و ختمہ لشفاء الأمراض و دفع المصائب و حصول المقاصد فيجتمعون و يقرأ بعضهم الجزء الأول منه مثلاً و بعضهم الجزء الثاني و بعضهم الثالث و هكذا فيختمونه باجتماعهم ثم يدعون الله تعالى لشفاء مرضاهم أو لدفع مصائبهم أو لحصول مقاصدهم ، و استدلووا على ذلك بأن قراءته بتمامه رقية لشفاء المرضى و دفع المصائب و حصول المقاصد ، و الرقية بما ليس فيه شرك و لا كلمة لا يفهم معناها جائزة بالاتفاق و جواز الاسترقاء به لا يتوقف على ثبوت كونه رقية من الكتاب و السنة (مقدمة تحفة الاحوذى ۹۳ الباب الأول الفصل العشرون)

الغرض شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب اپنے اکابر و مشائخ کے معمول کے مطابق ختم بخاری شریف اور اس کے بعد دعاء کے قائل تھے، ایسی مجالس میں شریک بھی ہوتے تھے، لیکن اس عمل کے جائز ہونے کے باوجود حضرت شیخ اس کو بہت زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے، چنانچہ بہت سی ناگہانی آفتوں اور مصیبتوں کے مواقع اور مہلک امراض کے حالات پیش آ جانے کے وقت ختم بخاری شریف کرانے کا اہتمام آپ نے نہیں فرمایا، بلکہ احادیث مبارکہ میں جو دعائیں وارد ہوئی ہیں ان کے پڑھنے کا آپ خاص اہتمام فرماتے تھے، دوسروں کو بھی اس کی بھی تلقین فرماتے تھے، امراض سے شفاء کے لئے شریعت و سنت کے مطابق طبی و ڈاکٹری علاج کا بھی اہتمام فرماتے تھے۔

ختم بخاری شریف اور اس میں دعاء کا اہتمام

ختم بخاری شریف کا عنوان آج کل اہل مدارس کی اصطلاح میں معروف و مشہور ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مدرسہ میں دورہ حدیث کے طلبہ صحاح ستہ کی جو کتابیں پڑھتے ہیں، ان میں سب سے اہم بخاری شریف سمجھتی جاتی ہے۔ ساری کتابیں تو ان کے

پڑھانے والے اساتذہ ہی ختم کراتے ہیں، لیکن بخاری شریف کی اہمیت کی وجہ سے اس کا اختتام کسی صاحب علم بزرگ، وقت کے شیخ الحدیث سے کراتے ہیں، وہ بزرگ بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس دے کر جامع نصیحتوں کے ساتھ دعاء فرمادیتے ہیں۔

ختم بخاری کی طرح بہت سے حضرات افتتاح بخاری کا بھی اہتمام کرتے ہیں یعنی برکت کے لئے کسی بزرگ سے افتتاح کرتے ہیں، احقر کی ناقص معلومات کے مطابق علماء سلف اور قدماء محدثین کے یہاں تو اس کا اہتمام نہیں ملتا (واللہ اعلم) البتہ بعض اکابر سے ختم بخاری شریف کے وقت کسی بزرگ کو بلا کر ان کے آخری درس اور نصیحتوں کے بعد دعا کرانے کا معمول رہا ہے۔

دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور میں بھی کسی قدر اس کا اہتمام تھا، عوام الناس کو اس کا علم ہوا تو وہ بھی اس مبارک مجلس میں شرکت کے لئے بڑے اہتمام سے دور دراز سے سفر کر کے آنے لگے، بعض بڑے مدارس میں تو نقاب پوش عورتوں کی بڑی تعداد بھی شرکت کے لئے آنے لگی، جن میں بے پردہ عورتیں بھی ہوتی تھیں۔ گویا ختم بخاری میں شرکت ایک ایسا پرکشش مبارک عنوان بن گیا کہ اس کے لئے بڑے اہتمام سے تاریخ کا تعین اور دعوت ناموں کے ذریعہ لوگوں کو بلانے کا اہتمام بھی کیا جانے لگا اور اس پروگرام میں جشن کی سی صورت بننے لگی، عورتوں کی شرکت نے ایسی مجلسوں میں اور مفاسد پیدا کر دیئے، بعض مدارس میں ایسے پروگراموں کو جشن کا رنگ دے کر غیر مسلموں اور سیاسی لوگوں کو بھی مدعو کیا جانے لگا، ہمارے بعض اکابر نے ایک حد تک جو اس کا اہتمام کیا تھا، وہ تو ان تمام مفاسد سے بالکل خالی ہوتا تھا، بلکہ متعدد مصالح پر مشتمل ہوتا تھا، مثلاً یہ کہ کسی بزرگ و شیخ سے آخری درس کے موقع پر اس میں الوداعی نصائح کا بھی اہتمام

ہوتا تھا، اہل مدارس اور عوام و خواص میں بہت سے حضرات شیخ وقت سے بیعت ہوتے اور اصلاحی تعلق بھی قائم کرتے تھے۔ اسکے علاوہ مختلف اوقات میں اصلاحی مجلسوں کا سلسلہ بھی جاری رہتا، بہت سے اصحاب علم علمی سوالات بھی کرتے، وعظ و نصیحت کی بھی مجلس ہوتی، عقد نکاح بھی ہوتے، الغرض عنوان تو ہوتا تھا ختم بخاری شریف کا، لیکن اس کے ساتھ بہت سے علمی و اصلاحی پروگرام بھی ہوتے تھے، فارغ ہونے والے طلبہ اور حفاظ کو دستار فضیلت بھی عطا کی جاتی تھی، ان سارے مصالح کی بنا پر ہمارے بعض اکابر نے ختم بخاری کے پروگرام کو جاری رکھا تھا۔

لیکن ہمارے اکابرین میں بعض مصلحین امت مثلاً حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب وغیرہ کو اسی وقت کھٹک پیدا ہوئی کہ یہ تو صورت حدیث پاک کو قرآن پاک پر ترجیح دینا ہے، ختم بخاری کے مقابلے میں ختم قرآن کے بعد دعا کی قبولیت کی زیادہ امید کی جاسکتی ہے، پھر ختم بخاری کا اس درجہ کا اہتمام کیوں؟ یہ صورت حال آگے چل کر کہیں بڑے مفسدہ کا ذریعہ نہ بن جائے، چنانچہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب نے اسی وقت خاص انداز سے اہل علم اور اہل مدارس سے اس کا تذکرہ اور خاص انداز سے نکیر کرنا شروع فرما دیا تھا، کئی مرتبہ احقر کے سامنے بھی فرمایا، حضرت شاہ ابرار الحق صاحب کی یہ بات احقر راقم الحروف نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب سے عرض کی، حضرت شیخؒ نے بغور سنا، اور اس کا جواب ارشاد فرمایا جو اس وقت ذہن میں صرف اتنا محفوظ ہے کہ ختم بخاری کے موقع پر اہتمام و اجتماع صرف ختم بخاری کی وجہ سے نہیں ہوتا، بلکہ فارغ ہونے والے طلبہ کو دستار فضیلت اور الوداعی نصائح اور دینی خدمات کے لئے ان کو آمادہ اور تیار کرنے کے لئے بھی ہوتا ہے۔

الغرض اس نوعیت کا ختم بخاری کا اہتمام اسلاف کے یہاں تو احقر کے علم میں نہیں، البتہ بعض اکابر اور بعض بڑے دینی اداروں میں اس کا اہتمام ہونے لگا ہے، اس کے متعلق ہمارے اکابر کے دونوں قسم نقطہ نظر ہیں، بعض اکابر نے مفاسد سے بچتے ہوئے مصالح کے پیش نظر حدود میں رہتے ہوئے اس کو اختیار کرنے کی اجازت دی ہے، جب کہ بعض دوسرے اکابر نے مصالح کا اعتبار نہ کرتے ہوئے مفاسد کے پیش نظر اس کو ناپسند کیا ہے، خصوصاً جب کہ اس کو جشن کی صورت دی جانے لگے یا عورتوں کے مخلوط اجتماع کی نوبت آنے لگے، یا حد سے زائد اس کا اہتمام کیا جانے لگے، ایسی صورت میں ہمارے اکابر حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب، حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب ندوی وغیرہم منع فرماتے ہیں، فقہاء کی تصریحات بھی ہی اس کی مؤید ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب اور مولانا صدیق احمد صاحب نے بعض اہل مدارس اور ان کے ذمہ داروں کو جو خطوط لکھے مزید فائدہ کے پیش نظر ہم ان خطوط کو یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ آئندہ بھی ان خطوط سے بھی رہنمائی حاصل کی جاسکے۔

ختم بخاری شریف کے متعلق حضرت مولانا ابرار الحق صاحب کا

مکتوب حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندوی کے نام

باسمہ سبحانہ و تعالیٰ

مکرمی جناب مولانا صدیق احمد صاحب زید لطفہ السامی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس وقت آپ کی خدمت میں دو باتوں کی گزارش کا داعیہ ہوا۔ ایک معاملہ ختم

بخاری شریف کا ہے دوسرا معاملہ حالات خاصہ یعنی بیماری و مصائب وغیرہ میں ختم بخاری

شریف کرنے اور کرانے کا اہتمام، ختم بخاری شریف پر دعاء کا قبول ہونا اور مشکلات و تکالیف کے موقع پر اس کے ختم کی برکت سے سکون ملنا اور آسانی کی صورت پیدا ہو جانا یہ صرف اکابر کے مجربات میں سے ہے، البتہ ختم قرآن پاک یا تلاوت قرآن پاک پر دعاء کا قبول ہونا، اس سے پریشان کن حالات میں تسلی و تشفی کی صورتیں پیدا ہونا اس پر نہ صرف یہ کہ تجربات شاہد ہیں بلکہ یہ نص سے بھی ثابت ہے، اس لئے اس کا اختیار کرنا اہم و مؤکد ہے۔

اب معاملہ یہ ہے کہ ختم بخاری شریف پر پہلے سے تاریخ کا تعین اور اس پر مستزاد یہ کہ بعض جگہ عمومی و خصوصی دعوت ناموں کے ذریعہ اس میں شرکت کی دعوت دی جاتی ہے، پھر آنے والوں کے لئے طعام کا بھی انتظام کیا جاتا ہے، پھر یہ کہ حالات خاصہ میں اس کے ختم کا اہتمام کرنا جو کہ صرف ایک تجرباتی چیز ہے نیز یہ کہ اس میں نسبتاً دشواری بھی ہے مشقت بھی ہے، اس کے بالمقابل جو چیز منصوص ہونے کے ساتھ ساتھ سہل و آسان بھی ہے اور سراپا خیر و برکت و رحمت بھی ہے اس کو چھوڑنا حد سے تجاوز معلوم ہوتا ہے، اب نوبت یہاں تک آگئی ہے کہ اکثر مقامات پر جہاں بخاری شریف کا ختم ہوتا ہے وہاں ختم قرآن پاک کا ذکر بھی نہیں آتا اور نہ ایسے اجتماع میں ختم کرایا جاتا ہے، ایسے معاملات سے غیر منصوص کی منصوص پر ترجیح عملاً لازم آتی ہے، اس طرح کے ختم میں شرکت کے دعوت نامہ پر حاضری سے معذرت کر دیا کرتا ہوں اور اس پر نکیر بھی، لہذا آپ سے دریافت ہے کہ احقر کا یہ خلجان و عمل صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو تائید فرمادیں ورنہ اس کی اصلاح کی گزارش ہے۔

والسلام
ابراہیم الحق

حضرت اقدس نے جواب تحریر فرمایا:

باسمہ سبحانہ و تعالیٰ

مخدومی حضرت اقدس دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

چند سالوں سے ختم بخاری شریف کے سلسلہ میں جو غلو ہو رہا ہے، اس کے بارے میں حضرت والا نے جو تحریر فرمایا ہے وہ بالکل صحیح ہے، حضرت کی توجہ کی برکت سے اہل مدارس سے اس میں گفتگو ہوتی رہتی ہے۔ مرکزی مدارس کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہیے، وہاں جو چیز ہوتی ہے مدارس میں بھی شروع ہو جاتی ہے۔

احقر صدیق احمد

خادم مدرسہ عربیہ، ہتورا، باندہ

۵ شعبان ۱۴۱۷ھ

(تحفہ مدارس مکاتیب حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندوی ص ۸۷)

افتتاح بخاری و ختم بخاری کے سلسلے میں حضرت مولانا سید صدیق

احمد باندویؒ کا مکتوب گرامی

ایک بڑے مدرسہ کے ناظم صاحب نے بخاری شریف کے افتتاح کے لئے حضرت کو اپنے مدرسے میں آنے کی بڑے اصرار سے دعوت دی، دعوت نامہ میں تحریر فرمایا: کہ حضرت سے گزارش ہے کہ صرف چند منٹ کا وقت عنایت فرما کر بخاری شریف کا افتتاح فرمادیں۔

حضرت اقدس دامت برکاتہم نے جواب تحریر فرمایا:

از مدرسہ عربیہ ہتورا، ضلع باندہ

مکرم بندہ زید کریم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج بعافیت ہو، آج لفافہ ملا، مدرسہ میں حاضری میری سعادت ہے، اگر موقع نکل سکے تو احقر کی ایک خواہش پوری ہو جائے گی،

اس کے بعد گزارش ہے کہ احقر سے کچھ بیان کرا لیجئے، بخاری شریف کا افتتاح نہ کرایئے، اس کی اہلیت نہیں، بخاری شریف آج تک پڑھائی نہیں، کہیں إذاؤ بسد الامر الی غیر اہلہ فانظر الساعة کا مصداق نہ ہو۔

نیز احقر کا ایک مزاج ہے بخاری شریف کا افتتاح اسی شخص سے ہونا چاہیے جو اس وقت مدرسے میں بخاری شریف پڑھائے، اس مدرسہ کے کسی دوسرے مدرس سے بھی یہ کام نہ کرانا چاہیے، چہ جائیکہ کسی دوسرے مدرس سے یہ کام لیا جائے، اس سے طلبہ پر فطری طور پر یہ بات ذہن میں پیدا ہوگی کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص جو افتتاح یا ختم کر رہا ہے ہمارے استاذ سے افضل ہے۔ اور یہ خطرہ دل میں پیدا ہو جانا طالب علم کے لئے محرومی کا سبب ہو سکتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ اس خیال سے دوسرے بھی متفق ہوں۔ وللناس فیما یعشقون مذاہب۔ اب آپ بتائیں جس پر اس خیال کا غلبہ ہو، دیانتہ وہ اس کام کو کیسے کر سکتا ہے، یہ اس لئے عرض کر دیا کہ وہاں اس کام کے لئے احقر سے اصرار نہ کیا جائے بلکہ اس سلسلہ میں کوئی گفتگو نہ ہو۔

طالب دعاء

احقر صدیق احمد

خط لکھنے کے بعد حضرت نے فرمایا کہ: خواہ مخواہ لوگوں نے افتتاح بخاری یا ختم

بخاری کو اہمیت دے رکھی ہے اور اب اس کا بہت رواج ہو گیا ہے، ہمارے اکابر کے یہاں یہ چیزیں نہیں تھیں، اور اب تو اس کا بہت اہتمام ہونے لگا ہے، محض اس کے لئے اشتہار چھپتے ہیں، دعوت نامے تقسیم ہوتے ہیں یہ چیزیں میرے دل میں شروع سے کھٹکتی ہیں کہ اس کا اتنا اہتمام کیوں ہوتا ہے، محض رواج ہو جانے سے کوئی چیز سنت تو بن نہیں جائے گی، ایک صاحب نے کہا کہ لوگ آپ کو برکت و دعاء کے لئے بلاتے ہیں اصل مقصود یہی ہوتا ہے، حضرت نے فرمایا: ہاں دعا کروں گا اس سے کہاں انکار ہے، لیکن اس کے لئے اس اہتمام کی کیا ضرورت ہے اور کیا دعاء ختم بخاری شریف کے بعد قبول ہوتی ہے ختم قرآن کے بعد دعا قبول نہیں ہوتی؟ ختم قرآن کے بعد دعاء کیوں نہیں کرتے، کیا بخاری کا درجہ قرآن سے بھی بڑھ گیا؟ (ماخوذ از تحفہ مدارس ص ۸۴)

فائدہ: ہمارے اکابر کی یہ احتیاط اور طرز عمل فقہاء کے بیان کردہ اس اصول کے بالکل مطابق ہے: ”أَنْ الْأَمْرَ إِذَا ضَاقَ اتَّسَعَ، وَإِذَا اتَّسَعَ ضَاقَ، وَ جَمَعَ بَيْنَهُمَا بَعْضُهُمْ بِقَوْلِهِ: كَلِمَاتٍ جَاوَزَ عَنْ حُدُودِهِ انْعَكَسَ إِلَى ضِدِّهِ.“

(الأشباه والنظائر القاعدة الرابعة/ ۱۳۸)

اصحاب دارالعلوم ودیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کا طرز عمل

دارالعلوم دیوبند و مظاہر علوم سہارنپور میں بھی تعلیم کے آخری سال میں ختم بخاری شریف ہوتا ہے، لیکن بغیر کسی خاص اہتمام کے، نہ تو دعوت ناموں کا اہتمام نہ ہی جلسہ اور جشن کی صورت، نہ مدرسہ کے تمام اساتذہ و طلبہ کے جمع ہونے کا اہتمام، بس کیف ما اتفق بروقت جو لوگ موجود ہوئے اپنی مرضی سے دعاء میں شریک ہو گئے، لیکن ادھر چند سالوں سے یہ سلسلہ بڑھنے لگا، لوگ اپنے طور پر ایک دوسرے کو اطلاع اس پروگرام کی دینے لگے

ختم بخاری شریف کے وقت کی تعیین بھی ہونے لگی، اور اس میں شرکت کا اہتمام بھی اس حد تک بڑھنے لگا کہ بعض مرکزی اداروں میں دعاء میں شرکت کے لئے مردوں کے علاوہ خواتین بھی دور دراز سے سفر کی مشقتیں برداشت کر کے آنے لگیں، اچھے خاصے اجتماع اور جشن کی صورت بننے لگی، اسکے نتیجے میں بعض جگہ مردوں اور عورتوں کا مخلوط اجتماع بھی لگا، بعض مدرسہ والوں کو تو اس میں بڑا فائدہ نظر آیا کہ مدرسے کی شہرت اور چندے میں کافی اضافہ ہوگا، اس لئے اہل مدارس اور عوام الناس کی اس میں دلچسپی بڑھتی جا رہی تھی، بلاشبہ یہ صورت حال حدود سے تعدی اور بہت سے مفاسد کو متضمن تھی، اس لئے اس صورت حال کے پیش نظر اصحاب دارالعلوم دیوبند نے اس سلسلہ کو قطعاً موقوف کر دیا۔ اور مدرسہ کے ذمہ داروں کی طرف سے بھی یہ ہدایت کر دی گئی کہ ختم بخاری شریف کے لئے نہ تو تاریخ کا تعین ہوگا، نہ ہی اس کے لئے جلسہ اور جشن کا اہتمام ہوگا، بعض اساتذہ حدیث نے بخاری شریف کے درس میں دارالحدیث میں تمام طلبہ کے سامنے اس اہتمام سے جشن کی صورت اختیار کر لینے کو بدعت قرار دیا، الحمد للہ دارالعلوم دیوبند میں ختم بخاری شریف کے عنوان سے جلسہ و جشن کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا، بس ختم کے دن اساتذہ و طلبہ جو بروقت موجود رہتے ہیں مل کر دعا کر لیتے ہیں اور بس۔

تقریباً یہی طریقہ مظاہر علوم سہارنپور میں بھی ہے دیگر مدرسہ والوں کو بھی یہی طرز اختیار کرنا چاہیے؛

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب ختم بخاری شریف کے موقع پر طلبہ کو نصیحتیں بھی فرماتے اور بڑی رقت آمیز دعا فرماتے اور اکثر ایسا ہوتا کہ اپنے محسن و مربی شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے فرزند حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب دامت برکاتہم جن

کا اگرچہ علم و تحقیق اور درس و تدریس کا مشغلہ نہیں، لیکن حضرت شیخ محض ان کے اکرام میں شیخ زادہ اور استاذ زادہ ہونے کا لحاظ کرتے ہوئے غایت درجہ محبت و عظمت کے ساتھ ان کو بلاتے اور ختم بخاری شریف کے موقع پر ان کی نصیحتوں کے ساتھ انھیں سے اختتامی دعاء کراتے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اکابر کے نقش قدم پر ثبات قدمی کی توفیق نصیب فرمائے۔

حضرت شیخ کا ختم بخاری شریف کا درس

جامعہ عربیہ ہتورا ضلع باندہ میں جب سے دورہ حدیث شریف شروع ہوا، تقریباً ہر سال تعلیم کے آخری سال میں ختم بخاری شریف کے موقع پر حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب کو بلانے کا اہتمام فرماتے تھے، جس میں حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندوئی اپنے علاقے کے بہت سے متعلقین کو حضرت شیخ سے مربوط ہونے اور اصلاحی تعلق قائم کرنے کا ماحول بناتے تھے، چنانچہ بہت سے حضرات جن کے لئے سہارنپور کا سفر کرنا دشوار ہوتا تھا، اسی موقع پر حضرت شیخ سے اصلاحی تعلق قائم فرماتے، اور بڑی تعداد میں لوگ بیعت ہوتے، حضرت شیخ کی قیام گاہ میں ذکر کی مجلس بھی ہوتی اور وقتاً فوقتاً علمی و اصلاحی ارشادات سے اصحاب علم و اساتذہ مدرسہ کے علاوہ دوسرے حضرات بھی خوب خوب مستفید ہوتے۔

بعض سالوں میں حضرت شیخ تشریف نہیں لاسکتے، تو حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندوئی نے ہی ختم بخاری شریف کرایا۔

عموماً جامعہ عربیہ ہتورا باندہ میں ختم بخاری شریف مظاہر علوم سہارنپور میں ختم بخاری کے بعد ہی فوراً یعنی دوسرے یا تیسرے دن ہوتا تھا، آخری درس کے سارے

مضامین یقیناً حضرت شیخؒ کو مستحضر رہتے تھے، لیکن جامعہ عربیہ ہتور میں ختم بخاری شریف کے موقع پر بعض مرتبہ احقر نے دیکھا کہ حضرت شیخؒ نے بڑے اہتمام سے ”فتح الباری“ وغیرہ کی آخری جلد منگوائی، اس کا مطالعہ کیا، اس کے بعد ختم بخاری شریف کے لئے تشریف لے گئے، جانے سے قبل غسل اور خوشبو کا اہتمام فرماتے پھر دو رکعت نفل پڑھ کر تشریف لے جاتے، ختم بخاری شریف عموماً مسجد میں ہوتا تھا، حضرت شیخؒ پر اس وقت بڑی رقت طاری رہتی، مجلس ختم بخاری میں کبھی حمد و نعتیہ کلام پڑھا جاتا، اس وقت حضرت شیخؒ پر بسا اوقات خاص حالت طاری ہو جاتی اور بے ساختہ عجیب انداز سے ”إِلَّا اللّٰه“ کی آواز صادر ہو جاتی۔

حضرت شیخؒ کے ختم بخاری شریف کے درس میں بڑی تعداد میں اصحاب علم اور اساتذہ حدیث شریک ہوتے، فارغ ہونے والے طلبہ حضرت کے سامنے بیٹھے ہوتے اور دائیں بائیں طرف کبار علماء اور مدرسے کے اساتذہ تشریف فرما ہوتے، جن کے لئے خصوصی نشست کا انتظام ہوتا، اس کے علاوہ پورے مجمع میں دور و دراز سے آئے ہوئے خواص و عوام بھی شریک ہوتے، مجمع چونکہ خواص اور اصحاب علم کے علاوہ دوسرے لوگوں پر بھی مشتمل ہوتا تھا، اس لئے دورانِ درس حضرت شیخؒ علمی مضامین کے ساتھ اصلاحی مضامین بھی بیان فرماتے تھے۔ لیکن بخاری شریف کی آخری حدیث کی عالمانہ، محققانہ پوری تشریح فرماتے تھے، بعض سالوں میں جب کہ طبعی نشاط ہوتا تو حدیث سے متعلقہ تمام کلامی مضامین اور بخاری شریف کی پہلی اور آخری حدیث میں مناسبت اور اس کے علاوہ علمی و فنی مباحث بیان فرماتے، جن میں فرق باطلہ مثلاً معتزلہ اور جہمیہ وغیرہ کا تعارف اور ان کے باطل نظریات کی تردید تفصیل سے بیان فرماتے۔

احقر کے شیخ و مربی حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندوی (ناظم و بانی جامعہ عربیہ ہتورا باندہ، جن کی خدمت کی سعادت الحمد للہ احقر کو حضرت کی اخیر زندگی تک رہی) وہ بھی اس ختم بخاری کی مجلس میں حضرت شیخؒ کے قریب تپائی (بیٹھ) پر کتاب کھول کر طالب علمانہ انداز میں نہایت تواضع اور سادگی کے ساتھ بیٹھتے، جیسے ایک طالب علم اپنے باوقار استاذ کے سامنے بیٹھتا ہے، حضرت شیخؒ کا درس شروع ہوا تو حضرت اقدس مولانا سید صدیق احمد باندویؒ نے اس کو قلم بند کرنا شروع کیا، پوری تفصیل تو نہیں لکھی، لیکن درس کے مرکزی مضامین اور تقریر کی بنیادی باتوں کو حضرت نے پورے اہتمام سے اپنے دست مبارک سے لکھا، بعد میں احقر نے اس کو صاف کر کے عنوان قائم کر کے حضرت مولانا صدیق احمد صاحب کی خدمت میں پیش کیا، حضرت نے اس کو پسند کیا اور خوش ہوئے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ کا درس بخاری بہت سے لوگوں نے ضبط کیا اور شائع کیا ہے، لیکن اس ختم بخاری کے درس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کو عارف باللہ جلیل القدر بزرگ کہ خود شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ بھی جن کے بہت معتقد اور قدرداں تھے انہوں نے اس کو ضبط کیا اور اپنے دست مبارک سے لکھا اور بعد میں بغور حرفاً حرفاً اس کو ملاحظہ فرما کر اس کی تصویب فرمائی، ختم بخاری شریف کا یہ درس مختصر ہونے کے باوجود ان شاء اللہ بہت نافع اور بابرکت ہوگا۔

احقر راقم الحروف نے شیخؒ کے اس بابرکت درس ختم بخاری کے ساتھ حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحبؒ کا افتتاح بخاری کا درس بھی شامل کر دیا، جس میں حضرت مولانا نے اپنے مدرسہ میں دورہ حدیث شروع ہونے کے سال میں افتتاح بخاری کے موقع پر دورہ حدیث کے طلبہ کے سامنے چند اہم مختصر نصیحتیں و ہدایتیں اور حدیث پڑھنے

کے آداب ارشاد فرمائے تھے اس کو بھی شامل کر دیا، نیز حضرت امام بخاریؒ کے حالات پر مشتمل ایک مضمون حضرت مولانا نے تحریر فرمایا تھا، اس کو بھی شامل کر دیا، مزید فائدے کے لئے اخیر میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ایک ”کا مضمون جو حدیث پڑھنے والے نیز فارغ ہونے والے طلبہ کے لئے الوداعی نصائح پر مشتمل ہے اس کو بھی اس مجموعہ کا جزء بنادیا، سب سے اخیر میں حضرت شیخؒ کی بخاری شریف کی سندیں جمع کر دیں، یہ مختصر رسالہ جو ”افتتاح بخاری و ختم بخاری“ کے نام سے شائع ہو چکا ہے ان شاء اللہ حدیث پڑھنے اور پڑھانے والوں کے لئے ہر لحاظ سے مفید اور نافع ہوگا، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے اس کو قبول فرمائے اور تمام اہل علم کے لئے نافع بنائے۔ آمین

محمد زید مظاہری ندوی

استاذ حدیث و فقہ

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ھ